ابنِ صفی

جلد نمبر
20

جاسوسی دنیا

64- شیطان کی محبوبہ

65- انوکھے رقاص

66- پُراسرار موجد

جاسوسی دنیا

جلد نمبر 20

64	شیطان کی محبوبہ
65	انوکھے رقاص
66	پراسرار موجد

ابن صفی

اسرار پبلی کیشنز

الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ

اردو بازار لاہور۔فون : 7321970 - 7357022

جملہ حقوق محفوظ

اس ناول کے نام ، مقام، کردار اور کہانی سے
تعلق رکھنے والے اداروں کے نام فرضی ہیں۔

پبلشر..........خالد سلطان
پرنٹر............یمانی پریس

سیل ڈپو: عثمان ٹریڈرز
الکریم مارکیٹ، مین کبیر سٹریٹ
اردو بازار لاہور۔فون : 7321970

جاسوسی دنیا نمبر 64

شیطان کی محبوبہ

(مکمل ناول)

پیشرس

ایک طویل عرصے کے بعد آپ ''شیطان کی محبوبہ'' کے روپ میں ایسی کہانی دیکھیں گے جس کا مزہ چٹخارہ، لطف و ذائقہ انوکھا ہے۔ اس کہانی کو پڑھ کر بے اختیار ابن صفی کی ایسی کہانیاں یاد آجاتی ہیں جن میں مونچھ مونڈنے والی، دوہرا قتل وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ شیطان کی محبوبہ اس لحاظ سے ابن صفی کے ان چند کارناموں سے ایک ہے جن میں ابن صفی کا مخصوص انداز ظرافت اور شگفتگی مکمل طور پر موجود ہے یا ''ابن صفیت'' کی جلوہ گری ہے۔

اس کہانی کے انوکھے پن اور خوبصورتی کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حمید اس میں شگوفے چھوڑنے والا آلۂ تفریح نہیں ہے بلکہ قریب قریب تین چوتھائی کیس اُسکا رہین منت ہے اور فریدی ایک ہدایت کار کی حیثیت سے نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب حمید میدانِ عمل میں آئیگا تو قہقہوں کی بارش بھی ہوگی اور مسکراہٹوں کی پھلجھڑیاں بھی چھوٹیں گی۔

ادھر گذشتہ آٹھ مہینے سے مسلسل کہانیوں اور بھیانک مجرموں نے ایک ایسی فضا بنا دی تھی جو بہت سرد تھی ''شیطان کی محبوبہ'' برف کی طرح جمے ہوئے اس ماحول میں حرارت پیدا کرتی ہے۔ اس کی مسز شوخ کا کردار اپنی رنگینی اور دلکشی کے علاوہ ایسے نفسیاتی جھٹکے دیتا ہے کہ ہر قدم پر آدمی چونک اٹھتا ہے اور انتہا میں پہنچ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ مخصوص قسم کے کردار کی تخلیق میں جو ملکہ ابن صفی کو حاصل ہے اس کی گرد کو پانا بھی مشکل ہے۔

اس کہانی کو حمید کی کہانی یا حمید کا کارنامہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آخری صفحات میں اس طرح ابن صفی نے حمید کو اس بار پیش کیا ہے کہ ہم بے اختیار اس سے محبت کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ حمید کے کردار کا یہ رخ اُسے ہم سے اتنا قریب کردیتا ہے، اُسے اتنا مضبوط، دلکش اور خوبصورت کردار کا مالک بنا دیتا ہے کہ واقعتاً یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ کسی ناول کا کردار نہیں بلکہ گوشت و پوست کا جیتا جاگتا آدمی ہے۔ انہیں خصوصیات کی بناء پر شیطان کی محبوبہ ناقابل فراموش کارنامہ بن گئی ہے۔

پبلشر

خون کی لکیر

نیا گرا کے ریکریئیشن ہال میں بیلے کی تیاریاں تھیں۔ ایک غیر ملکی پارٹی اپنے کمالات کا مظاہرہ کرنے والی تھی۔ اسٹیج سے ابھی پردہ نہیں ہٹا تھا۔ ہال میں قمقمے جگمگا رہے تھے، قہقہے اچھل رہے تھے اور زندگی تمام رعنائیوں سمیت جلوہ فگن تھی۔

زندگی جلوہ فگن تھی اور قاسم کی طبیعت اتنی مگن تھی کہ وہ اس وقت قارون کی قبر پر بھی لات مار دیتا۔ وہ اب تک بیروں کو تقریباً پچاس روپے بطور بخشش دے چکا تھا، اور ریکریئیشن ہال ہی میں بیٹھے بیٹھے اتنا کھا چکا تھا کہ معمولی دل گردے والے کا پیٹ ہی پھٹ جاتا۔

بات صرف اتنی تھی کہ قریب ہی بیٹھی ہوئی ایک لڑکی نے شائد اپنے ساتھی کو ازراہ مذاق پیٹو کہہ کر اس کی اس صفت کو اپنی پسندیدگی کا باعث قرار دیا تھا۔

حمید نے قاسم کو لاکھ سمجھایا کہ اس نے اپنے ساتھی کو بیوقوف بنایا ہوگا۔ دنیا کی کوئی عورت کسی پیٹو آدمی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ سکتی۔ لیکن وہ قاسم ہی کیا جس کا معدہ ذہن کی اطاعت قبول کر لے۔ وہ بڑی شدومد کے ساتھ اپنے پیٹو پن کا مظاہرہ کرتا رہا اور پھر آخر کار وہ لڑکی اس میں دلچسپی لینے پر مجبور ہوگئی۔

"ابے.... دیکھ رہی ہے حمید بھائی۔" وہ جھک کر آہستہ سے حمید کے کان میں بولا۔

"خدا کرے اس کی آنکھیں پھوٹ جائیں۔"

"تمہاری خود پھوٹ جائیں۔" قاسم اس انداز میں بگڑ گیا جیسے اس لڑکی سے پرانی

شناسائی ہو۔

''قاسم....!''

''قیا ہے.....!'' قاسم غرایا۔

''خدا تمہیں اتنی عقل دے کہ تم.....کہ تم.....کہ تم.....مم مم.....!''

''تم خود مم مم.....!'' قاسم پھر جھلا گیا۔

مگر اس ''مم مم'' کی وجہ دراصل ایک دوسری عورت تھی جس پر اچانک حمید کی نظر پڑی اور وہ جملہ پورا نہ کر سکا۔ پھر قاسم کی نظر بھی اُدھر ہی اٹھ گئی۔

''ارے باپ رے.....حمید بھائی.....ارے.....یہ تو.....یہ تو.....!''

''قاسم.....!''

''کیا ہے.....پیارے بھائی.....اِی.....اِی.....!''

''میرے کفن دفن کا انتظام کرو۔''

''ارے.....کیوں پریشان کرتے ہو۔'' قاسم اس طرح بوکھلا گیا جیسے سچ مچ حمید کا دم نکلنے والا ہو۔

ویسے وہ عورت اتنی ہی پرکشش تھی کہ حمید نے قدیم شاعری کے عاشقوں کی طرح اپنے لئے گور وکفن کا تذکرہ مناسب سمجھا۔ اس کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ متناسب الاعضا تھی اور سیکس اپیل رکھنے والے خدوخال کی مالک تھی۔ اس کی آنکھوں میں اتنی شوخی تھی کہ وہ سکوت کے عالم میں بھی بولتی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

اُس کے ساتھ ایک پروفیسر ٹائپ بوڑھا مرد تھا جس کے سر پر بمشکل تمام مٹھی بھر سفید بال رہے ہوں گے۔ ڈاڑھی بھی رکھتا تھا مگر انگریزی وضع کی۔ لباس بھی مغربی ہی تھا۔ عورت ہلکے نارنجی رنگ کے نائیلون کی ساری میں تھی۔

''قاسم.....!'' حمید نے کہا۔ ''ان کے قریب ہی دو تین سیٹیں خالی ہیں۔''

''بے شک.....خالی ہیں۔'' قاسم بولا۔

''چلو تو ادھر ہی نکل چلیں۔'' حمید نے کہا۔

''مگر...... یہ ادھر والی مجھے دیخ رہی ہے۔'' قاسم بڑبڑایا۔

''اچھا تو تم یہیں بیٹھو......!''

''یہ نہیں ہو سا کتا۔''

''اچھا تو تم بھی چلو۔''

''یہ بھی نہیں ہوسکتا۔''

''تب تم جہنم میں جاؤ...... میں جا رہا ہوں۔''

''میں ٹانگ پکڑ کر کھینچ لوں گا۔'' قاسم نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم ہوش میں ہو یا نہیں۔''

''میں بالکل ہوش میں ہوں۔'' قاسم ہنسنے لگا۔ ''اچھا ٹانگ نہیں پکڑوں گا مگر اُس کے ابا میاں کو آواز دوں گا کہ بچاؤ لونڈیا کو۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ آج شاید قاسم بھی موڈ میں تھا لیکن اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا۔ وہ سچ مچ بوڑھے کو آواز دے کر یہی جملہ کہہ بھی سکتا تھا۔ قاسم ہی ٹھہرا۔

حمید تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر یک بیک بولا۔

''کیا سنا......؟''

''وہ کیا کہہ رہی ہے۔''

''قون......!''

''وہی جس کے لئے تم یہاں سے اٹھنا نہیں چاہتے۔''

''کیا کہہ رہی ہے۔'' قاسم نے اس کی طرف جھک کر پُر اشتیاق لہجے میں پوچھا۔

''کہہ رہی ہے کہ یہ کم بخت موٹا منحوس معلوم ہوتا ہے۔''

''نہیں......!''

''میں نے خود سنا ہے اپنے کانوں سے۔ تم نے بھی سنا ہوگا۔ مگر تم اعتراف کیوں کرنے لگے۔''

''نہیں الاقسم میں نے نہیں سنا۔''

''اُس نے کہا تھا.....تم نے سنا تھا۔تم جھوٹے ہو۔''

''میں نے نہیں سنا تھا۔ وہ خود ہوگی۔ سالی منحوس۔صورت تو دیکھو جیسے ٹی بی ہو رہا ہو۔ مردگی تم مردگی۔''

حمید نہایت اطمینان سے اٹھا اور قاسم نے بھی اس کا ساتھ دیا۔اُس عورت کے پاس چار کرسیاں خالی تھیں۔حمید تو اُس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور قاسم اس کے بعد۔

عورت کے لباس سے ایوو ے کولون کی بھینی بھینی مہک اٹھ رہی تھی۔ قاسم نے نتھنے پھلائے اور اس طرح دم کھینچا جیسے ایک ہی کوشش میں ساری خوشبو سمیٹ لے جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

پھر اُس نے جھک کر پوچھا۔''یہ بیلے کیا ہوتا ہے حمید بھائی۔''

''بلبل کا بچہ......خاموش رہو۔''

''آپ بیلے نہیں جانتے۔'' دفعتاً بوڑھے نے جھک کر پوچھا۔

''جی نہیں۔'' قاسم نے دانت نکال دیئے۔

''کتھا کلی، سمجھتے ہیں۔''بوڑھے نے پوچھا۔

''اوہا......اچھا......بیلے کی کلی......سمجھ گیا......سمجھ گیا۔''

عورت بے اختیار مسکرا پڑی۔لیکن اس نے ان دونوں کی طرف نہیں دیکھا۔

''خیر ابھی دیکھ لیجئے گا کہ بیلے کیا چیز ہے۔'' بوڑھے نے مسکرا کر کہا اور دوسری طرف متوجہ ہوگیا۔حمید کو قاسم پر بہت شدت سے غصہ آیا تھا۔مگر وہ خاموش ہی رہ گیا۔

کچھ دیر بعد پردہ سرکا اور پروگرام شروع ہوگیا۔

''ارے...... یہ تو گونگی ہیں۔'' قاسم بڑبڑایا۔''لاحول ولاقوۃ......میرا دم گھٹ رہا ہے۔ کیا یہ گائیں گی نہیں۔''

''قاسم خاموش رہو۔'' حمید اُس کے پیر پر پیر رکھ کر بولا۔

''نہیں خاموش رہوں گا میں بور ہو رہا ہوں۔ اس بیلے ویلے کی ایسی کی تیسی۔ میں سمجھتا تھا ناچ کے ساتھ گانا بھی ہوگا۔''

''قاسم اس طرح خود بھی بور ہوتا رہا اور حمید کو بھی کرتا رہا۔ خدا خدا کر کے رقص ختم ہوا اور بوڑھا قاسم کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔ قاسم نے بھی دانت نکال دیئے۔ حمید نے کنکھیوں سے عورت کی طرف دیکھا وہ اب بھی اسٹیج ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

تماشائی اٹھ اٹھ کر ڈائیننگ ہال کی طرف جانے لگے۔ بوڑھا بھی اٹھا۔ وہ عورت بھی اٹھ گئی مگر حمید بیٹھا رہا۔ پتہ نہیں مقصد کیا تھا۔

''ارے تو کیا یہیں بیٹھے رہو گے۔'' قاسم جھلا گیا۔

'' بکواس مت کرو۔'' حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''تمہیں کس نے روکا ہے۔''

قاسم کچھ کہتے کہتے رک گیا کیونکہ وہ عورت اُن کی طرف واپس آ رہی تھی اور تنہا تھی۔

قاسم ہکلانے لگا کیونکہ وہ انہیں ہی گھور رہی تھی۔

''شاید میرا پرس یہاں رہ گیا ہے۔'' اُس نے کہا اور جھک کر اُس کرسی کے نیچے دیکھنے لگی جس پر کچھ دیر قبل خود بیٹھی ہوئی تھی۔

''پھر پتہ نہیں کہاں رہ گیا۔'' وہ سیدھی کھڑی ہو کر تشویش کن لہجے میں بولی۔

''کیا آپ کو اچھی طرح یاد ہے کہ یہاں بیٹھتے وقت پرس آپ کے پاس ہی موجود تھا۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں یاد ہے۔'' عورت نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''اور آپ لوگ اب بھی یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''واقعی ہم بڑے احمق ہیں!'' حمید مسکرا کر بولا۔ ''اگر ہم نے آپ کا پرس اڑایا تھا تو ہمیں آپ سے پہلے ہی کھسک جانا چاہئے تھا۔''

''جی ہاں!'' عورت کا غصہ تیز ہی ہوتا رہا۔ ''آپ پہلے اس طرف بیٹھے ہوئے تھے پھر ادھر آ گئے۔''

''آپ کا پرس اڑانے کے لئے۔'' حمید نے مسکرا کر سوالیہ انداز میں کہا۔

''جی ہاں! مجھے آپ پر شبہ ہے۔''

''اوہ......نونو......ڈارلنگ!'' دفعتاً بوڑھے نے کہا، جو عورت کے پیچھے ہی پیچھے آیا تھا۔
لیکن حمید نے اُس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ لفظ ڈارلنگ پر وہ چونکا....تو وہ اسکی بیوی تھی۔

''مجھے اُن پر شبہ ہے۔'' عورت نے کہا۔

''یقین تو نہیں ہے۔'' بوڑھا بولا۔ ''ختم کرو۔ یہ بیچارے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

لفظ بیچارے پر حمید کو بڑا تاؤ آیا لیکن خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

عورت بڑبڑاتی ہوئی مڑ گئی۔ بوڑھے نے ان کی طرف دیکھ کر شائد معذرت طلب کی تھی۔ الفاظ وہ نہیں سن سکے۔ پھر بوڑھا بھی چلا گیا۔

''دیکھا سالی کو۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ''اور تمہارے منہ میں بھی وہی جم گیا تھا۔ تم نے کہا کیوں نہیں کہ میں کیپٹن حمید آف کھفیہ ڈپارٹمنٹ ہوں۔''

''ابے تم مٹی کیوں پلید کر رہے ہو میرے محکمے کی۔''

''میں تم کو پلید کردوں گا ورنہ چل کر اس سالے بڈھے ہی کو مارو جو ہمیں شریف آدمی کہہ رہا تھا۔''

''شریف ہونا بُری بات ہے۔'' حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

''ہاں! میرے لئے شریف ہونا بُری بات ہے۔ میرا باپ شریف آدمی ہے۔ جس کی بیوی میری ماں تھی لیکن مجھے باپ کہنے والا کبھی پیدا نہ ہو سکے گا۔ خان بہادر عاصم کی ایسی کی تیسی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ آج کل قاسم تقریباً ہر وقت ہی اپنے باپ کی شان میں قصیدے پڑھتا رہتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ حال ہی میں اس کے ایک ماموں زاد بھائی کی شادی ہوئی تھی اور یہ جوڑا آپس میں ایک دوسرے سے گہری محبت رکھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ قاسم کے سینے پر سانپ لوٹتے رہے ہوں گے کیونکہ اُس کی ازدواجی زندگی سرے سے ناکام رہی تھی۔

حمید چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر وہ بھی ڈائننگ ہال کی طرف بڑھا۔ قاسم بڑبڑاتا ہوا۔

چل رہا تھا۔

''یہ اَلاّ میاں بھی شاید مذاق کرتے ہیں۔ اُس بڈھے مریل کی جورو اتنی تگڑی اور میری بیوی چوہیا کی اولاد......واہ......وا......کیا انصاف ہے۔''

''شٹ اپ یو کالا کافر۔'' حمید رک کر مڑا۔ ''یہ تمہارے باپ کا انصاف ورنہ کسی عورت کی پیشانی پر اُس کے ہونے والے شوہر کا نام نہیں لکھا رہتا۔''

''تم میری بات نہ کاٹا کرو سمجھے۔'' قاسم کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہی عورت پھر آ ٹکرائی۔ وہ ابھی ڈائننگ ہال میں پہنچے بھی نہیں تھے۔

''دیکھئے......میں پھر کہتی ہوں کہ پرس واپس کر دیجئے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔'' عورت نے کہا۔

''آپ خواہ مخواہ پیچھے پڑ گئی ہیں۔'' حمید مسکرایا۔

''اے تم مسکراتے کیوں ہو۔'' قاسم جھلا گیا۔

''پھر کیا کروں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''مجھے ان پر لاکھ برس غصہ نہیں آ سکتا۔ تم بھی مسکراؤ۔ قاسم نے مسکرانے کی کوشش کی۔ ہونٹ پھیلے اور پھر سکڑ گئے۔''

''میں آپ کو پولیس کے حوالے کر دوں گی۔''

''شوق سے کر دیجئے۔'' حمید نے کہا۔

''اے تم اپنا وزیٹنگ کارڈ کیوں نہیں نکالتے۔'' قاسم پھر جھلا گیا۔

اور عورت ایک زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''نہیں آپ اپنا وزیٹنگ کارڈ اپنے پاس ہی رکھئے۔ دنیا کے سارے جیب کترے خود کو لارڈ کچنر کا بھتیجا ظاہر کرتے ہیں۔''

''اے زبان سنبھال کے! تم خود ہوگی جیب کتری۔'' قاسم جیب سے اپنا پرس نکالتا ہوا بولا۔ ''کتنے روپے تھے آپ کے پرس میں۔''

''دو ہزار......!''

قاسم نے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی کھینچی اور بیس نوٹ اس کی طرف بڑھا دیئے۔

''دو ہزار روپے میرے جوتے کی نوک پر رکھے رہتے ہیں۔'' عورت نتھنے پھلا کر بولی۔

''پھر آپ کیا چاہتی ہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''آپ بتایئے پرس کس قسم کا تھا تاکہ وہ بھی خرید دیا جائے۔''

''آپ لوگ عجیب آدمی ہیں۔'' دفعتاً عورت روہانسی ہو کر بولی۔ ''میں اپنا پرس چاہتی ہوں۔''

''اگر ہمیں علم ہوتا تو اپنا وقت نہ برباد ہونے دیتے۔'' حمید نے کہا۔

''اُس پرس میں دو تین خطوط تھے۔''

''وہ لیٹر بکس ہی سہی...... لیکن ہمیں علم نہیں۔''

''میں برباد ہو جاؤں گی۔ تباہ ہو جاؤں گی۔ خدا کے لئے رحم کیجئے۔''

''ہاں...... پرس کی تلاش کے سلسلے میں ہم آپ کی مدد ضرور کر سکتے ہیں۔'' حمید نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

عورت نے وزیٹنگ کارڈ دیکھا اور پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''معاف کیجئے گا میری غلط فہمی کو۔'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں اب فرمایئے۔ چلئے میں اس جیب تراشی کی رپورٹ درج کرادوں۔''

''اوہ...... یہی تو میں نہیں کرنا چاہتی۔ ورنہ اب تک شاید آپ ہی کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کر بیٹھتی۔ اوہو...... اچھا خاموش رہئے پروفیسر آ رہے ہیں۔''

بوڑھا تیزی سے اُن کی طرف لپکا آ رہا تھا۔

''اوہ...... ڈارلنگ تم نہیں باز آؤ گی۔'' وہ قریب پہنچ کر بولا۔ ''میں کہتا ہوں، ختم کرو اس قصے کو۔ اگر یہ حرکت ان کی ہوتی تو یہ یہاں ٹھہرتے کیوں۔ تھوڑی عقل بھی استعمال کرو۔''

''اوہ...... ہاں ڈیئر۔'' عورت جلدی سے بولی۔ ''میں دراصل ان سے معافی مانگنے آئی تھی۔ یہ معزز اور شریف آدمی ہیں۔''

''کیوں...... دیکھا...... میں نہ کہتا تھا۔'' بوڑھا بچکانے انداز میں ہنسنے لگا۔

''کاش آپ حضرات میری دعوت قبول کر لیتے۔'' عورت نے ان دونوں کی طرف دیکھ

کر کہا۔ پھر بوڑھے سے بولی۔ ''میں نے کہا تھا اگر کوئی حرج نہ ہو تو کھانا ہمارے ہی ساتھ کھایئے۔''

''بالکل مناسب کہا تھا تم نے ڈارلنگ۔'' بوڑھا چہک کر بولا۔

''پھر آپ کیا کہتے ہیں۔'' عورت اُن کی طرف مڑی۔

''ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''اوہ...... شکریہ...... آیئے آیئے۔'' بوڑھا ڈائیننگ ہال کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ اس کی رفتار تیز تھی۔ یہ تینوں آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ وہ کافی آگے نکل گیا۔

''آپ کو اس ڈرامائی دعوت پر حیرت تو ہوئی ہوگی۔'' عورت نے آہستہ سے کہا۔

''ہونی ہی چاہئے۔'' حمید بولا۔

پتہ نہیں قاسم پر کیا بیت رہی تھی۔ ایک تگڑی سی عورت کا قرب اور دوسرے یہ دعوت۔ اس کے دل و معدے میں ہیجان تو یقیناً برپا ہو گیا ہوگا۔

''میں کیا بتاؤں کہ کتنی پریشان ہوں۔'' عورت نے کہا۔

لیکن حمید خاموشی سے چلتا رہا۔

وہ ڈائیننگ ہال میں آئے۔ ان کی میز غالباً پہلے ہی سے ''مخصوص'' تھی۔ بوڑھا ان سے پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ اُس نے اٹھ کر ان کا استقبال کیا۔

پھر کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ ''اگر آپ حضرات اپنے تعارف کی زحمت گوارا کریں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''میں اقبال سلیم ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''تفریحی کتابوں کی تجارت ذریعہ معاش ہے اور یہ مسٹر قاسم ہیں۔ خان بہادر عاصم کے صاحبزادے۔''

''بڑی خوشی ہوئی۔'' بوڑھا ہاتھ بڑھا کر بولا۔ ''لوگ مجھے پروفیسر شوخ کہتے ہیں اور یہ مسز شوخ ہیں۔''

''آپ دونوں سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔''

''ہوئی نا...... میں پہلے ہی کہتا تھا۔'' بوڑھا پھر بچکانے انداز میں ہنسا۔

''لیکن آپ پروفیسر کیوں ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''اوہ..... کسی زمانے میں فلسفے کا پروفیسر تھا۔'' بوڑھے نے ہنس کر کہا۔ ''فلسفہ تاریخ اور پولیٹکل سائینس تینوں مضامین میں ڈاکٹریٹ کی تھی۔ آپ کے اس شہر میں کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے تین مضامین میں ڈاکٹریٹ لی ہو۔''

''چار...... پروفیسر صاحب! ایک میں ہی ہوں۔ نبراسکا یونیورسٹی کو مجھے چار مضامین میں ڈاکٹریٹ دینی پڑی تھی تب کہیں جا کر اُس کا پیچھا چھوٹا۔''

''نہیں......!'' بوڑھے نے حیرت سے کہا۔ ''کن مضامین میں۔''

''ٹیلرنگ، بک بائینڈنگ، آئس کریم فریزرنگ اور پلاسٹک مولڈنگ۔''

''لاحول ولاقوۃ......!'' بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''یہ بھی کوئی مضامین ہوئے۔''

''آپ کے مضامین پر میں دس بار لاحول ولاقوۃ بھیج سکتا ہوں۔''

''نہیں بھیج سکتے۔'' قاسم بوڑھے کی حمایت پر آمادہ ہو گیا۔

''نہیں بھیج سکتے نا...... میں پہلے ہی کہتا تھا۔'' بوڑھا ہنسنے لگا۔

''پھلسفہ...... تاریخ...... لوٹومیکل پائینس!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''واہ واہ سبحان اللہ۔''

''پولٹیکل سائنس......!'' بوڑھے نے تصحیح کی۔

''جی ہاں...... جی ہاں۔ میں جلدی میں کہہ گیا تھا۔''

''اوہ...... کھانا ڈارلنگ......!'' دفعتاً بوڑھے نے عورت سے کہا۔

''ہاں! میں نے ویٹر سے کہہ دیا ہے۔''

''مگر یہ شوخ کیسا نام ہے پروفیسر صاحب۔'' حمید خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ جاری رکھنا چاہتا تھا۔

''نام نہیں تخلص ہے...... میں شاعر بھی ہوں۔''

حمید کی روح فنا ہو گئی کیونکہ شاعری تاریخ و فلسفہ اور سیاست سب پر حاوی ہو جاتی ہے اور شاعر سر پر سوار ہو جاتا ہے۔

''مجھے شاعری سے بالکل دلچسپی نہیں ہے۔'' حمید جلدی سے بولا۔

''ہونی بھی نہ چاہئے۔ بھلا پلاسٹک مولڈنگ، اور شاعری میں کیا علاقہ۔''

حمید جواب میں کچھ کہنے کے لئے پنجے جھاڑ ہی رہا تھا کہ ایک ویٹر نے قریب آ کر بوڑھے سے کہا۔

''آپ کا فون ہے جناب۔''

''اوہ......اچھا......میں ابھی حاضر ہوا۔'' بوڑھا اٹھتا ہوا بولا۔

حمید اُسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ اُس کی چال مضحکہ خیز تھی۔ حمید نے پائپ نکالا اور تمباکو بھرنے لگا۔

''اوہ......اب کھانا آ ہی رہا ہوگا۔ آپ پائپ کیوں بھر رہے ہیں۔'' عورت نے کہا۔

''کھانے کے بعد کیلئے بھر رہا ہوں......مگر شوخ صاحب زندہ دل آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''آپ اُن کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کر رہے تھے کیا یہ مناسب تھا اور آپ نے انہیں اپنا صحیح نام بھی نہیں بتایا۔''

''کیسے بتاتا جب کہ آپ خود ہی نہیں چاہتی تھیں۔''

''میں نہیں چاہتی تھی......یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''اگر آپ چاہتی ہوتیں تو خود ہی تعارف کرا دیتیں۔ آپ تو میرے نام سے واقف تھیں۔''

''جی نہیں......میں نے آپ کا کارڈ دیکھا تھا۔ لیکن اب اس وقت مجھے آپ کا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔''

''کیپٹن ساجد حمید فرام فیڈرل انٹیلی جنس بیورو۔''

''کیا یہ آپ کی پیشانی پر تحریر ہے۔'' عورت نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''ہوسکتا ہے آپ کا یہ کارڈ جعلی ہو۔''

''پھر آپ نے ہمیں کیوں مدعو کیا ہے۔''

''ختم کیجئے......!'' عورت ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''پروفیسر آ رہے ہیں۔''

حمید خاموش ہوگیا۔ بوڑھا بڑی تیزی سے میز کی طرف آیا۔ وہ کچھ پریشان سا تھا اور اس

کی سانس پھول رہی تھی۔

''اوہ...... ڈیئر...... داؤد زینوں سے گر گیا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔نہیں نہیں آپ حضرات تشریف رکھئے۔تم بھی بیٹھو ڈیئر۔ میں دیکھ لوں گا۔''

''نہیں میں بھی چل رہی ہوں۔'' عورت اٹھتی ہوئی بولی۔

''نہیں! تم بیٹھو...... یہ بدتمیزی ہے کہ مدعو کر کے......!''

''نہیں جناب کوئی بات نہیں۔'' حمید نے کہا۔

''نہیں آپ حضرات تشریف رکھئے۔'' بوڑھے نے کہا اور تیزی سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

''پروفیسر بہت سوشل آدمی ہیں۔'' عورت بیٹھتی ہوئی بولی۔ ''ہمارا بھتیجا زینوں سے گر کر زخمی ہو گیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے اسے گوارا نہیں کیا کہ ان کے مہمان ان کے متعلق کوئی بُری رائے قائم کریں۔''

''اور آپ اتنے اچھے آدمی کو دھوکا دینا پسند کرتی ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''یہی کہ دو جیب کتروں کو ان پر بار بنا رہی ہیں۔''

''اے...... ذرا سوچ سمجھ کر۔'' یک بیک قاسم بولا۔ ''تم ہو گے جیب کترے میں تو نہیں ہوں۔''

''آپ غلط سمجھے...... آپ نہیں سمجھ سکتے۔ میں نے محض اسی لئے کہا تھا کہ پروفیسر کو کسی نئی الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں ایک بار پھر استدعا کروں گی مجھے صرف وہ خطوط دے دیجئے۔''

''وہ خطوط کیسے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''بس ایسے ہی کہ اُن سے پروفیسر کو دکھ پہنچ سکتا ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔ یعنی اگر وہ خطوط غلط ہاتھوں میں پہنچ جائیں تو آپ بلیک میل بھی کی جا سکتی ہیں۔''

''یہی سمجھ لیجئے۔'' عورت نے کہا اور پھر تھوڑے توقف کے ساتھ بولی۔ ''اگر پرس آپ کے پاس ہے تو آپ جو قیمت لگائیں میں ادا کرنے کو تیار ہوں اور اگر آپ واقعی محکمہ سراغ

رسائی سے تعلق رکھتے ہیں تو خدارا میری مدد کیجئے ورنہ...... ورنہ...... دیکھئے میں نہیں چاہتی کہ پروفیسر کی زندگی برباد ہو۔ حالانکہ اگر میں آپ کو حقیقت بتا دوں تو آپ بھی میرا مضحکہ اڑانے پر تیار ہو جائیں گے۔''

''بتا دیجئے حقیقت بھی تاکہ میں سچ مچ آپ کو بلیک میل کرسکوں۔''

''خدارا سنجیدگی اختیار کیجئے۔'' عورت نے کہا اور اتنے میں دو ویٹروں نے میز پر برتن لگانے شروع کر دیئے۔ قاسم بار بار منہ چلاتا ہوا پہلو بدل رہا تھا۔

ویٹر کھانا رکھ کر چلے گئے اور سلسلہ گفتگو پھر شروع ہو گیا۔

''کوئی سالا آپ کو بلیق میل نہیں کرسکتا۔'' قاسم بڑا سا نوالا حلق میں ٹھونستا ہوا بولا۔

''مجھے بتایئے میں ایک ایک کی گردن توڑ دوں گا۔''

وہ قاسم کی طرف شبہے کی نظر سے دیکھنے لگی۔

''میں انتہائی کوشش کروں گا۔'' حمید بولا۔ ''آپ کا کیا نام ہے۔''

''شوخی......!'' قاسم نے کہہ کر ایک بھدا سا قہقہہ لگایا۔

''آپ لوگ آخر اتنی بدتہذیبی سے کیوں پیش آرہے ہیں۔''

''مم......معاف...... کیجئے گا۔'' قاسم ہکلایا۔

''یہ میرے دوست تھوڑے سے کریک ہیں۔'' حمید بولا۔

''جی ہاں...... میں بالکل ...... اُل...... اُل...... اُلو ہوں۔'' قاسم نے بڑی سعادتمندی سے اعتراف کیا۔

''اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی ہوں کہ مجھ سے ایک بڑی حماقت سرزد ہوئی ہے۔ پرس یقیناً آپ ہی لوگوں کے پاس ہے اور میں نے آپ سے ان خطوط کی اہمیت کا تذکرہ کر دیا ہے۔''

''اور ہم لوگ اب آپ کو بلیک میل کریں گے...... کیوں؟''

''اور کیا کہا جاسکتا ہے۔'' عورت نے کہا اور دفعتاً اس طرح اچھل پڑی کہ نہ صرف ہاتھ سے نوالا چھوٹ گیا بلکہ ایک پلیٹ بھی الٹ گئی۔ اُس کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور

آنکھوں سے شدید ترین تکلیف ظاہر ہو رہی تھی۔ پھر وہ نیچے جھکی اور داہنا پیر اٹھا کر ایک ہاتھ پنڈلی پر رکھ لیا۔

پنڈلی پر سے ساری سر کائی اور ایک ہلکی سی چیخ اُس کے حلق سے نکل گئی۔ حمید بھی جھکا۔ پنڈلی میں ایک بڑی سی سوئی چبھی ہوئی تھی جس کی نوک دوسری طرف نکل گئی تھی اور پچھلا حصہ اسی قدر گوشت سے باہر نکلا ہوا تھا کہ چٹکی سے پکڑا جا سکے۔

"میرے خدا...... میں مری۔" وہ دونوں آنکھیں بھینچ کر کراہی لیکن حمید دوسرے ہی لمحے میں سوئی کو گوشت سے کھینچ چکا تھا۔ خون کی ایک پتلی سی لکیر سفید پنڈلی پر متحرک نظر آ رہی تھی۔

منہ کا سانپ

قاسم اور حمید دونوں ہی اس واقعے پر بوکھلا گئے تھے۔ بوکھلاہٹ میں اضافہ اس لئے بھی ہو گیا تھا کہ لوگ اپنی اپنی میزوں سے اٹھ اٹھ کر ان کی طرف آنے لگے تھے۔ حمید نے رومال سے خون خشک کیا اور دوسرا رومال پانی میں بھگو کر زخم پر باندھ دیا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔" حمید نے دوسروں سے کہا۔ "آپ اپنی میزوں پر تشریف لے جائیں۔ معمولی سی چوٹ ہے۔"

لیکن چوٹ کے متعلق پوچھ گچھ شروع ہو گئی۔ وہ اتنی ہی دلکش عورت تھی کہ لوگ زیادہ سے زیادہ ہمدردی کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ بدقت تمام حمید انہیں میز کے پاس سے کھسکانے میں کامیاب ہو سکا۔

عورت کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔ اُس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ تکلیف برداشت کرنے کے لئے سخت ترین جدوجہد کر رہی ہے۔

"یہ کیسے ہوا۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں مگر کچھ نہیں بولی۔

''جی ہاں...... یہ کیسے ہوا۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کچھ نہیں...... کچھ بھی نہیں۔'' عورت خوفزدہ آواز میں بولی۔''آپ لوگ مجھے معاف فرمائیں۔ میں جانا چاہتی ہوں۔''

''آخر یہ سوئی۔'' حمید نے کہا۔

''آپ کو اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔'' عورت نے غصیلے لہجے میں کہا اور ویٹر کو اشارے سے بلا کر بل لانے کو کہا۔

''آپ جائیے۔'' حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔''بل میں ادا کردوں گا۔''

''میں فقیر نہیں ہوں۔'' عورت نے کہا۔

''ہم بھی بھک منگے نہیں ہیں۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔''آپ دونوں میاں بیوی کریک معلوم ہوتے ہیں۔''

''تمیز سے بات کیجئے۔''

''ہاں تمیز سے گفتگو کرو۔تم خود ہوگے کریک۔'' قاسم عورت کا ساتھ دینے لگا۔

اتنے میں ویٹر بل لایا اور عورت نے کچھ نوٹ بلاؤز کے گریبان سے نکال کر طشتری میں رکھ دیئے۔

''یہ روپے بھی آپ نے پرس میں کیوں نہیں رکھے تھے۔''حمید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''تم سے مطلب......!'' قاسم اکھڑ گیا۔

''تم خاموش رہو۔''

''نہیں خاموش رہوں گا۔تم ایک لیڈی کی توہین کررہے ہو۔''

عورت اٹھ گئی۔حمید اُسے دروازے کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔

''وہ تو گئی حمید بھائی۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''تم میرے پیچھے نہیں آؤ گے سمجھے! ورنہ تمہارا انجام بہت بھیانک ہوگا۔'' حمید بھی اٹھتا

ہوا بولا۔

"ارے واہ......!" قاسم نے کہا اور اٹھنے کا ارادہ کیا مگر پھر کچھ سوچ کر رہ گیا۔

حمید کمپاؤنڈ میں پہنچ چکا تھا۔ اُس نے عورت کو گیرج کی طرف جاتے دیکھا اور وہ خود بھی آگے بڑھا۔ وہ اپنی واٹر کول انجن والی بے آواز موٹر سائیکل پر آیا تھا اور وہ بھی گیراج ہی میں تھی۔

حمید بھی بہت محتاط ہو گیا تھا کوشش یہی تھی کہ نظر اس پر نہ پڑنے پائے۔

عورت نے گیرج سے کار نکالی اور حمید اُس وقت تک اپنی موٹر سائیکل کے قریب کھڑا رہا جب تک کہ کار باہر نہیں نکل گئی۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

اگر سوئی والا واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو وہ اُن دونوں میاں بیوی کو جھکی سمجھ کر نظر انداز کر دیتا مگر وہ عورت اسی طرح اچھل پڑی تھی جیسے اچانک کوئی چیز آ لگی ہو۔

پھر سوئی بھی کیسی جو ایک طرف سے گھس کر دوسری طرف نکلی گئی تھی۔ یقیناً وہ بڑی قوت سے پھینکی گئی ہوگی۔ مگر کیسے...... کیا انسانی ہاتھ اس قسم کا کوئی کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ حمید کو یہ ناممکن معلوم ہوئی اور وہ یہی سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر وہ سوئی پھینکی ہی گئی تھی تو اس کے لئے کسی قسم کی مشین استعمال کی گئی ہوگی۔ لیکن عورت نے اس کے متعلق کچھ بتانے کی بجائے چھپانے کی کیوں کوشش کی تھی۔ وہ خوفزدہ بھی تھی۔

عورت کی کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی اور حمید تعاقب کرتا رہا۔ نیا گرہ شہر کی آبادی سے بہت دور ایک پر فضا مقام پر واقع تھا۔ اس لئے اس سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں رہتا تھا۔

حمید نے اپنی موٹر سائیکل کی ہیڈ لائیٹ بجھا رکھی تھی اور اس کا انجن تو بے آواز ہی تھا۔

وہ دونوں آگے پیچھے شہر میں داخل ہوئے اور تعاقب اب بھی جاری رہا۔ آخر تھوڑی دیر بعد وہ کار ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں مڑ گئی اور حمید آگے بڑھ گیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے پھر اپنی موٹر سائیکل موڑی اور اُسے ایک جگہ روک کر اُتر پڑا۔

اب وہ اسی عمارت کی طرف پیدل واپس آ رہا تھا جس میں کار داخل ہوئی تھی۔ وہ پھاٹک کے قریب رکا۔ بائیں جانب کسی کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔ حمید جھک کر دیکھنے لگا۔ اُس پر

تحریر تھا۔ ''پروفیسر......اے......آر......شوخ۔''

حمید پیچھے ہٹ آیا۔ وہ تو اپنے ہی مکان میں داخل ہوئی تھی۔ حمید نے ایک بار پھر عمارت کا جائزہ لیا۔ عمارت بڑی شاندار تھی۔

وہ موٹر سائیکل کی طرف واپس آیا اور اب گھر جانے کے علاوہ اور کیا چارہ رہ گیا تھا۔ آج کل فریدی بھی شہر میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے اسے زیادہ تر گھر ہی پر رہنا پڑتا تھا۔ فریدی کی عدم موجودگی میں اس کے جانوروں کی دیکھ بھال حمید ہی کو کرنی پڑتی تھی اور یہ ایک ایسا کام تھا جس کے تصور ہی سے اُس کی روح فنا ہوتی تھی۔ صرف کتوں کا راشن تقسیم کرانے میں تقریباً دو گھنٹے صرف ہو جاتے اور وہ سوچتا تھا کہ آخر فریدی یہ سب کچھ کیسے کر لیتا ہے۔

گھر پہنچتے ہی اُس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی اور پروفیسر شوخ کے نمبر تلاش کرنے لگا جو جلد ہی مل گئے۔ اُس نے اُسے فون کر کے اس کے بھتیجے کی خیریت دریافت کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر ایسا نہیں کیا۔

کافی رات گئے تک وہ سوئی والی گتھی سلجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن اُسے ناکامی ہی ہوئی اور پھر وہ سو گیا۔

دوسری صبح اُس نے پروفیسر شوخ کے نمبر ڈائیل کئے۔

''یس ہیلو! میں پروفیسر شوخ ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہوا کرو۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''آپ کون صاحب ہیں!''

''محکمہ سراغ رسانی کا کیپٹن حمید۔''

''اوہ......جناب......فرمائیے......جناب۔''

''میں بیگم شوخ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور......ضرور......براہِ کرم ہولڈ آپ کیجئے۔ میں انہیں بھیجتا ہوں۔''

حمید منتظر رہا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔ ''ہیلو۔''

''آپ کا پیر کیسا ہے بیگم صاحبہ۔'' حمید نے پوچھا ''اور ساتھ ہی میں آپ کے بھتیجے کی بھی خیریت دریافت کرنا چاہوں گا۔''

''اوہ.....تو آپ ہیں۔''

''جی ہاں۔''

''آپ مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ اس خبط کو دل سے نکال دیجئے۔ میں خود ہی پروفیسر کو سب کچھ بتا دوں گی۔''

''میں نے اس وقت آپ کو اس لئے فون کیا ہے کہ براہِ کرم قانون کی مدد فرمایئے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ خود آپ کے خلاف مجھے کوئی قانونی کارروائی کرنی پڑے۔''

''کیا مطلب.....!''

''میں اس سوئی کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں جو پچھلی رات میں نے آپ کی پنڈلی سے نکالی تھی۔''

''وہ ایک سوئی تھی۔'' بیگم شوخ نے غصیلی آواز میں کہا۔

''وہ یقیناً ایک سوئی تھی۔ لیکن کس طرح پھینکی گئی تھی۔ میں جاننا چاہتا ہوں اور پھینکنے والا کون تھا.....؟''

''میں کیا جانوں۔''

''محترمہ ہوش کی دوا کیجئے۔ کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے مکان پر باوردی آدمی بھیجوں۔ میرا خیال ہے کہ پروفیسر شوخ اس پر ہرگز تیار نہ ہوں گے۔''

''کیا واقعی آپ کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے ہے۔''

''آپ کو اُسی وقت یقین ہوسکتا ہے جب کچھ باوردی لوگ پوچھ گچھ کیلئے وہاں پہنچ جائیں۔''

''دیکھئے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''آپ خواہ مخواہ مجھے دھمکا رہے ہیں۔ جی ہاں وہ سوئی میری پنڈلی میں چبھی ہوئی تھی آپ کا یہ خیال قطعی لغو ہے کہ کسی نے اُسے پھینکا تھا میں نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے چبھوئی تھی۔ اب فرمایئے کیا خیال ہے۔''

''آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں۔''

''اچھی بات ہے تو اُسے ثابت کیجئے کہ اس کا ذمہ دار میرے علاوہ اور کوئی ہے۔''

''میں ثابت کردوں گا۔''

''مجھے بھی آگاہ فرمائیے گا۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حمید کو بڑا غصہ آیا۔ اس عورت کے لہجے سے اس کی جھلاہٹ پہلے ہی بڑھ گئی تھی۔ وہ ریسیور رکھ کر ہٹنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''ہیلو......!''

''آئیں......غائیں......غمید بھائی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی اور حمید کا غصہ پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوگیا۔

''کیا ہے۔''

''آ کھری......دیدار کر جاؤ......میرا......!'' قاسم کراہا۔

''کیا ہوا......؟''

''تھوڑی دیر بعد......نہیں......نہیں...... مجھے بچالو......حمید بھائی بچالو۔''

''ابے بتا تا کیوں نہیں۔''

''ہائے......تم بھی کھفا......ہوگئے۔'' قاسم نے ہچکی لی۔ وہ سچ مچ رو رہا تھا اور اس زور شور کے ساتھ کہ حمید کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں لائین نہ خراب ہو جائے۔

''میں آ رہا ہوں۔'' اس نے کہا اور جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں اس پر کیا افتاد پڑی ہے کیونکہ فون پر اُس سے اکثر حماقتیں سرزد تو ہوتی رہی تھیں لیکن آج تک وہ اس طرح رویا نہیں تھا۔

حمید نے لباس تبدیل کیا اور قاسم کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔

وہاں اُسے ایک ہنگامہ نظر آیا۔ نوکر بدحواسی میں ادھر اُدھر دوڑتے پھر رہے تھے اور قاسم کی دہاڑیں کمپاؤنڈ سے بھی سنی جا سکتی تھیں۔

کمپاؤنڈ میں اسے کئی کاریں بھی کھڑی نظر آئیں۔ اس نے ایک ملازم کو کارڈ دیا مگر وہ بوکھلا کر بولا۔

''چلئے حضور! اس وقت کارڈ کسے دوں گا۔''

''کیوں! کیا بات ہے۔''

''صاحب کے پیٹ میں درد ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' حمید غصیلے لہجے میں بولا۔

''پانچ ڈاکٹر موجود ہیں سرکار۔ مگر صاحب یہی کہتے ہیں کہ ارے میرے ڈاکٹر کو بلاؤ۔''

''بیگم صاحبہ کہاں ہیں۔''

''اندر ہیں...... چلئے حضور۔''

''کیا کروں گا چل کر۔''

''وہ آپ ہی کے لئے تو چیخ رہے ہیں۔''

اندر پہنچ کر حمید نے قاسم کو ایسے حال میں دیکھا کہ اگر ضبط نہ کرتا تو بے تحاشہ قہقہے لگاتا ہوا نظر آتا۔ وہ ایک مسہری پر چت پڑا تھا اور پیٹ پر ربر کی تین بوتلیں تولیوں میں لپٹی ہوئی رکھی تھیں۔ اس کی بیوی کے علاوہ وہاں شہر کے پانچ بڑے ڈاکٹر بھی موجود تھے۔

''حامید...... بھائی...... آ...... آئی......!'' قاسم دونوں ہاتھ پھیلا کر چیخا۔

''اوہ آپ آ گئے۔'' قاسم کی بیوی اس کی طرف مڑ کر طنزیہ لہجے میں بولی اور ساتھ ہی قاسم دہاڑا۔ ''جاؤ...... تم سب دفع ہو جاؤ۔ میرا ڈاکٹر آ گیا۔''

''کیوں بکواس کرتے ہو۔'' حمید قاسم کو گھورتا ہوا بولا۔ ''کیا بات ہے۔''

''میں کہتا ہوں...... حمید بھائی کے علاوہ اور سب لوگ اس کمرے سے چلے جائیں۔''

قاسم حمید کے سوال پر دھیان دیئے بغیر غرایا۔

قاسم کی بیوی چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر اس نے ڈاکٹروں کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھ گئے اور پھر کمرے میں صرف حمید ہی رہ گیا۔

"ہائے......حمید بھائی......اب کیا ہوگا۔" قاسم کراہا۔

"کچھ بکو گے بھی۔"

"پتہ نہیں۔ دل میں درد ہے کہ جگر میں......اللہ جانے......گردے میں ہو......پھیپھڑوں میں ہو۔ حمید بھائی مجھے بچالو۔"

"میں کیسے بچا سکتا ہوں۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔

یک بیک قاسم اچھل کر بیٹھ گیا۔ پیٹ پر رکھی ہوئی گرم پانی کی بوتلیں دھپ دھپ فرش پر گریں۔

"کاسے بچا سکتا ہوں۔" وہ عورتوں کے سے جلے کٹے انداز میں ہاتھ نچا کر بولا۔ "اپنے ساتھ لئے پھرو گے......جو کام چاہو گے......لو گے......مگر بچا نہیں سکتے...... اے لعنت ہے تم پر حمید بھائی۔"

"کیا میرے ساتھ لئے پھرنے کی وجہ سے تم کسی تکلیف میں مبتلا ہوئے ہو۔"

"میں کہتا ہوں تم نے مجھے کل رات کیوں مجبور کیا تھا۔ میں تو اس سالی کے پاس نہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔"

"ہاں......!" حمید نے آنکھیں نکال کر ایک طویل سانس لی۔ "تو اسی سلسلے میں یہ درد دل یا دردِ جگر کی کہانیاں ہیں۔ مگر تمہیں یہ مشورہ کس گدھے نے دیا تھا کہ دردِ دل یا دردِ جگر کے سلسلے میں گرم پانی کی بوتلیں۔"

"ارے سنو تو سہی۔ دروازہ بند کردو۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" قاسم آہستہ سے بولا۔

"قاسم! کیا تمہاری شامت آئی ہے۔"

"آئی تھی۔" قاسم بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ "مگر تمہارے آتے ہی چلی گئی۔ دروازہ بند کردو۔ پیارے بھائی۔"

"حمید چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر دروازہ بند کردیا۔

"آؤ......آؤ......میرے قریب آؤ۔" قاسم مضطربانہ انداز میں بولا۔

''لیکن اگر وہ کوئی بے تکی بات ہوئی تو تمہاری بقیہ زندگی تلخ کردوں گا۔'' حمید ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

''ارے یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ وہ حرامزادی مجھے رات سے مارے ڈال رہی ہے۔''

''کون حرام زادی۔''

''وہی حرامزادی جو ابھی یہاں سے اپنے پانچ باواؤں کے ساتھ گئی ہے۔''

''ہام......اچھا......!''

''پچھلی رات وہ بھی نیا گرا گئی تھی اور اس نے ہمیں دیکھا تھا۔ بیگم کھوس کے ساتھ۔''

''بیگم شوخ......!'' حمید نے تصحیح کی۔

''اونہہ......شوخ ہی سہی۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''وہ حرامزادی بیگم شوخ کو بھی جانتی ہے۔''

''اگر تم نے اُسے اب حرامزادی کہا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔''

''قیوں......!'' قاسم کی آنکھیں نکل پڑیں۔

''اپنے باپ کو گالیاں دو......اس کا کیا قصور ہے کیا اس نے تم سے شادی کی درخواست کی تھی۔''

''ہائیں......تو پھر کیا میں اپنے باپ کو حرامزادہ کہوں۔''

''یقیناً......!''

''ذرا زبان سنبھال کر۔''

''سنبھل گئی...... ہاں تو تم ابھی کیا کہہ رہے تھے۔''

''حرامزادی کہہ رہا تھا۔'' قاسم گردن اکڑا کر بولا۔

''حرامزای کیا کہہ رہی تھی۔''

''آہاں......ارے الاقسم۔'' قاسم متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''وہ ایسی باتیں

کرتی ہے حمید بھائی کہ دم نکلنے لگتا ہے۔ رات بھر بور کرتی رہی اور پھر مجبوراً مجھے پیٹ میں درد کرنا پڑا۔''

''کیوں؟ کیا وہ باتیں بیگم شوخ کے متعلق تھیں۔''

''ارے...... ہاں...... ہاں......!'' قاسم سر ہلا کر بولا۔

''کیسی باتیں۔''

''یہی کہ بیگم شوخ ڈائن ہے۔ جادوگرنی ہے۔ اُس کے منہ سے سانپ نکل آتے ہیں اور اسکے عاشق پاگل ہوجاتے ہیں۔ وہ ایک ایسے آدمی کو جانتی ہے جو پاگل ہوگیا ہے۔ اس کی ماں کے ماموں کے سالے کا بھتیجا ہے۔ وہ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ ہم دونوں پاگل ہوجائیں گے۔''

''تمہیں یقین ہے کہ تمہاری بیوی پچھلی رات نیاگرہ میں تھی۔''

''ہاں پیارے بھائی! اُس نے ایک ایک بات بتائی ہے۔''

''ٹھہرو! میں اس سے گفتگو کرتا ہوں۔''

''ہائیں! اے کیوں شامت آئی ہے حمید بھائی۔ وہ ایسی دل ہلا دینے والی باتیں کرتی ہے کہ روح پھنا ہونے لگتی ہے...... فنا...... فنا ہونے لگتی ہے۔''

''میں اُس سے پوچھوں گا کہ وہ ایسی باتیں کیوں کرتی ہے۔ اگر سچ مچ تمہارا ہارٹ فیل ہوجائے تو کیا ہوگا۔''

''ہاں...... دیکھو تو حمید بھائی۔'' قاسم کی آواز مظلومیت کے اظہار میں گلوگیر ہوگئی۔

''اچھا تم ٹھہرو۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''اچھا...... اچھا......!'' قاسم نے جسم سکوڑ کر جمائی لی اور آہستہ آہستہ منہ چلانے لگا۔

حمید دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آیا اور راہداری ہی میں قاسم کی بیوی سے ملاقات ہوگئی جو بہت ہی غصے کے عالم میں تیزی سے ادھر ہی آرہی تھی۔

حمید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا لیکن انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ابھی چیخنے لگے گی۔

''نہیں۔'' حمید نے کہا۔ ''اگر وہ پھر بے قابو ہوگیا تو تمہیں سارے شہر کے ڈاکٹر اکٹھا کرنے پڑیں گے۔ میں نے بہت مشکل سے اُسے سیدھا کیا ہے۔''

وہ کچھ نہ بولی۔ حمید کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی رہی۔

آؤ..... حمید نے اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور پنجوں کے بل قاسم کے کمرے کی سمت چلنے لگا۔ غیر ارادی طور پر وہ بھی اس کی تقلید کرنے لگی۔ وہ بھی اتنی ہی احتیاط سے چل رہی تھی کہ آواز پیدا نہ ہونے پائے۔

کمرے کے سامنے رک کر حمید نے دروازے کے شیشوں کے اندر جھانکنے کا اشارہ کیا۔ اس کے لئے قاسم کی بیوی کو پنجوں کے بل کھڑا ہونا پڑا لیکن اس کے باوجود بھی وہ شیشوں تک نہ پہنچ سکی۔ آخر اُسے قفل کے سوراخ سے جھانکنا پڑا۔

اور پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف مڑی۔

حمید مسکرا رہا تھا۔ پھر دفعتاً اُس نے دھکا دے کر دروازہ کھولا اور اندر گھستی چلی گئی۔ قاسم اچھل پڑا۔ اُس نے تکئے کے نیچے سے کوئی چیز نکال کر منہ میں رکھی تھی اور اب وہ ایک مضحکہ خیز پوزیشن میں تھا۔ ٹانگیں پلنگ سے نیچے لٹک رہی تھیں، ہاتھ پٹی پر تھے منہ پھولا ہوا ہونٹ بھینچے ہوئے اور صرف آنکھیں گردش کر رہی تھیں۔ کبھی وہ حمید کیطرف دیکھتا تھا اور کبھی اپنی بیوی کی طرف۔

دفعتاً وہ آگے بڑھی اور سرہانے سے تکیہ اٹھالیا جس کے نیچے ٹوٹے ہوئے بسکٹوں کا ڈھیر نظر آرہا تھا۔

''یہ درد ہو رہا تھا تمہارے پیٹ میں۔'' وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

''خاں..... ہپ......!'' بسکٹ کے ٹکڑے اُس کے منہ سے اچھل کر دور جاگرے۔

قاسم جھلا گیا تھا۔ ''اب میں زہر کھاؤں گا......!'' وہ دہاڑا۔

''میری طرف سے اینٹ اور پتھر بھی کھاؤ۔'' اس کی بیوی چیخی۔

''ارے تم!'' قاسم حمید کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ ''تم بڑے گداڑ...... غدار ہو۔''

''ابے میں نے کیا کیا ہے۔ تم پیٹ کے درد سے تڑپ رہے تھے۔ میں نے اسے درد

دل ثابت کردیا۔ تمہاری تڑپن ختم ہوگئی۔'' حمید نے کہا اور پھر قاسم کی بیوی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔''دردِ دل کے لئے بسکٹ مضر نہیں ہیں۔''

''آپ خاموش رہیے براہِ کرم۔'' قاسم کی بیوی جلے کٹے لہجے میں بولی۔

''ابے ہاں.....تم کیوں ہمارے بیچ میں ٹائیں ٹائیں کرتے ہو۔''

''اچھا تو کہہ دوں.....ابھی جو کہہ رہے تھے۔''

''کہہ دو.....کہہ دو.....کیا تم میرے بڑے دوست ہو۔ پچھلی رات تم نے مجھے اُس جادوگرنی کے چکر میں پھنسا دیا۔ پاگل ہو کر مرو گے.....دیکھنا۔''

''بکواس مت کرو۔ وہ ایک مجرمہ ہے اور میں خاص طور پر اس کی نگرانی کر رہا ہوں۔''

''آپ نگرانی کر رہے ہیں۔'' قاسم کی بیوی نے پوچھا۔

''یقیناً کر رہا ہوں.....لیکن یہ بات اپنی ہی حد تک رکھنا۔''

''ارے واہ.....!'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔''میں ابھی اسے فون کرتا ہوں کہ یہ کیپٹن حمید سالا تمہاری نگرانی کر رہا ہے۔''

''کر کے دیکھو.....ناقابل ضمانت وارنٹ نکلواؤں گا اور میں اپنی بہن کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ وہ تم جیسے نالائق آدمی کے ساتھ ہرگز نہیں رہ سکتی۔''

''قونسی بہن۔''

''کیپٹن حمید تمہارا سالا ہے نا لٰہذا یہ کیپٹن حمید کی بہن ہوئی۔ چلو تم میرے ساتھ۔''

''ارے جاؤ جاؤ۔'' قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔''بڑے آئے بہن والے سالے۔''

''تم بدتمیزی کیوں کر رہے ہو۔'' قاسم کی بیوی نے اُسے للکارا۔

''ہاں.....تو تم جاؤ گی بھائی کے ساتھ.....ذرا جا کر تو دیکھو۔''

''چلئے حمید بھائی۔''

''لاشیں گریں گی یہاں اگر تم نے گھر سے باہر قدم نکالا۔''

''اچھی بات ہے۔ ہم یہاں بیٹھیں گے۔'' حمید نے کہا اور قاسم کی بیوی کو بھی بیٹھنے کا

اشارہ کیا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی اور قاسم دونوں کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ پھر حمید نے اس کی بیوی سے کہا۔ ''تو آپا جان......!''

''ابے چوپ۔'' قاسم حلق کے بل دہاڑا۔ ''صرف آپا کہو......جان نہیں۔''

قاسم کی بیوی بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

''اچھا آپا...... مجھے اُس عورت کے متعلق بتاؤ۔ تم اُسے کب سے اور کیسے جانتی ہو۔''

''میرے ایک ماموں زاد بھائی سے پچھلے ہفتے وہ کہیں ملی تھی۔ وہ اُس پر ریجھ گئے۔ اُس سے ملتے رہے......اور پھر ایک رات اُن کا بیان ہے کہ اس عورت کو کھانسی آئی اور اس کے منہ سے ایک ننھا سا سانپ گر کر فرش پر رینگنے لگا۔''

''ارے باپ رے۔'' قاسم سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر کراہا۔

''تمہیں یقین ہے کہ اُن حضرت کا بیان صحیح ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''مجھے یقین ہے......ناصر بھائی جھوٹ نہیں بول سکتے۔''

''ان کا پتہ بتاؤ...... میں اُن سے ملوں گا۔''

''مجھے افسوس ہے کہ اب وہ آپ کے کسی سوال کا صحیح جواب نہ دے سکیں گے۔''

''کیوں؟''

''اس واقعہ کے دو دن بعد اُن کا دماغ الٹ گیا۔''

''ہوں......!'' حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''ابے تم بھی پاگل ہو جاؤ گے۔'' قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں سمجھی تھی شاید آپ دونوں اُس کے چکر میں ہیں۔'' قاسم کی بیوی نے کہا۔

''صرف میں اس کے چکر میں تھا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ''اور ایک بار پھر تم دونوں سے کہتا ہوں کہ ان باتوں کو اپنی ہی حد تک رکھنا۔''

پھر وہ وہاں سے چل دیا۔

بے سروپا تجربہ

بیگم شوخ کی شخصیت کافی دلچسپ ہوتی جارہی تھی۔حمید قاسم کے گھر سے روانہ ہوکر ایک طرف چل پڑا مگر پھر خیال آیا کہ اسے قاسم کی بیوی سے اس ناصر کا پتہ معلوم کرلینا چاہیے تھا۔

راہ میں ایک جگہ کار روک کر وہ اُتر پڑا اور پبلک ٹیلی فون بوتھ سے قاسم کے نمبر ڈائیل کیے۔کال اس کی بیوی نے ریسیو کی لیکن حمید نے صرف پتہ ہی معلوم کر کے سلسلہ منقطع کردیا۔

اب وہ احمد لاج کی طرف جارہا تھا۔قاسم کی بیوی کا ماموں زاد بھائی وہیں رہتا تھا۔یہ لوگ بھی شہر کے متمول ہی طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔

عمارت کے قریب پہنچ کر حمید نے کار روکی اور اپنا کارڈ اندر بھجوایا۔

ڈرائینگ روم میں اسے تقریباً پانچ منٹ تک تنہا بیٹھنا پڑا پھر ایک معمر آدمی نے اُسے انتظار کی زحمت سے نجات دلائی۔

"فرمایئے جناب!" بوڑھے نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے مسٹر ناصر سے ملنا ہے۔"

"آپ...... ناصر۔" بوڑھا کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔"جی ہاں..... وہ میرا لڑکا ہے......مگر محکمہ سراغ رسانی......!"

"جی ہاں ایک سلسلے میں ان سے گفت وشنید کرنی ہے۔"

"کس سلسلے میں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ میں نہ بتا سکوں گا۔"

"تب مجھے بھی افسوس ہے جناب۔" بوڑھا گلوگیر آواز میں بولا۔" آپ اُس سے گفتگو نہ کرسکیں گے۔"

"قانون کی مدد کرنا ہر شہری کا فرض ہے۔"

"بشرطیکہ شہری صحیح الدماغ ہو۔" بوڑھے نے کہا۔

''کیوں؟ میں نہیں سمجھا۔'' حمید نے حیرت ظاہر کی۔

''ناصر ہوش میں نہیں ہے۔''

''مگر ایک ہفتہ پہلے تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔''

''جی ہاں...... آج سے پانچ دن پہلے یک بیک اس کا دماغ الٹ گیا اور اب وہ مینٹل ہاسپٹل میں ہے۔''

''آپ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں اُسے آپ کے خلاف عدالت میں بھی......!''

''جی ہاں...... قطعی۔'' بوڑھا بات کاٹ کر بولا۔ ''لیکن آخر ناصر کے سلسلے میں عدالت کا تذکرہ کیوں۔''

''وہ ایک ایسی عورت کیساتھ دیکھے جاتے رہے ہیں جسے قانون اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔''

بوڑھے نے ایک طویل سانس لی اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

''کیوں! کیا آپ بھی اس عورت کے متعلق کچھ جانتے ہیں۔'' حمید اسے گھورنے لگا۔

''ناصر کے پاگل پن کی وجہ ایک عورت ہی ہے۔''

''کون!''

''کوئی پروفیسر شوخ ہے...... اُس کی بیوی۔''

''لیکن ناصر صاحب کو یہ حادثہ کیسے پیش آیا۔''

''میں نہیں جانتا۔'' بوڑھا بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ''اس کے چچا زاد بھائی کو بھیجتا ہوں وہی بتائے گا۔''

بوڑھا ڈرائنگ روم سے چلا گیا اور حمید بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا۔

تھوڑی دیر بعد ایک خوش پوش نوجوان اندر آیا۔ اس کی عمر بیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ صورت ہی سے کھلنڈرا اور غیر سنجیدہ معلوم ہوتا تھا۔

''کیا آپ ہی مجھے ناصر کے متعلق بتائیں گے۔''

''جی ہاں! لیکن اس سے پہلے میں آپ کے بکرے کی خیریت پوچھوں گا۔'' نوجوان ہنس

کر بولا۔ ''کیونکہ میرا بکرا بھی ایسوسی ایشن کا ممبر ہے۔''

''لیکن میں اس وقت بکروں کے لئے خیر سگالی کے مشن پر نہیں آیا ہوں۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا اور نوجوان یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔

''آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''ناصر نے آپ کو بیگم شوخ کے متعلق کیا بتایا تھا۔''

''یہی کہ وہ ایک قتالہ عالم ہے۔ قدم قدم پر فتنے جگاتی ہے۔''

''صاحبزادے مجھے شاعری سے دلچسپی نہیں ہے۔''

''یہی بتایا تھا ناصر بھائی نے یقین کیجئے۔''

''ان کا دماغ کس طرح الٹ گیا۔''

''انہوں نے ایک واقعہ بتایا تو تھا مگر مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ پھر جب دو دن بعد وہ پاگل ہو گئے تو یقین کرنا ہی پڑا۔''

''واقعہ بتاؤ دوست۔'' حمید اُسے چمکار کر بولا۔

''ایک رات وہ دونوں نیاگرا کے ایک فیملی کیبن میں تھے۔ بھائی ناصر نے تھوڑی سی پی رکھی تھی، لہٰذا موج میں تھے۔ انہوں نے اُس سے محبت کرنی چاہی لیکن اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا اور اسی دوران میں اس کے منہ سے ایک سانپ کا بچہ نکل کر میز پر رینگنے لگا۔ بھائی ناصر کا بیان ہے کہ انہوں نے اسے فوراً ہی مار ڈالا لیکن وہ خود بُری طرح خائف ہو گئے تھے۔ عورت نڈھال ہو گئی تھی۔ جب بھائی ناصر نے اُس سے اس کے متعلق پوچھا تو وہ رونے لگی۔ اس نے کچھ بھی نہیں بتایا مگر برابر یہی کہتی رہی کہ مجھ سے دور بھاگو۔ میرا خیال دل سے نکال دو۔ میں ایک بدنصیب عورت ہوں...... جاؤ۔''

''پھر......!''

''پھر یہ کہ بھائی ناصر کی محبت تو پہلے ہی ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ انہوں نے گھر کی راہ لی۔ دو دن تک بور ہوتے رہے پھر پاگل ہو گئے۔ منہ سے نکلنے والے سانپ نے اُن کے ذہن پر

بہت بُرا اثر ڈالا تھا۔"

"تم نے دیکھا ہے اس عورت کو۔"

"دیکھنے کی خواہش ضرور رکھتا ہوں۔"

"مینٹل ہاسپٹل میں پاگل ہوجانے کی وجہ درج کرائی گئی ہے۔"

"بات کا بتنگڑ بننے کے خیال سے اصلیت چھپائی گئی ہے۔" نوجوان نے کہا۔

"لہٰذا اب یہ بات بھی چھپانی ہی پڑے گی کہ محکمہ سراغ رسانی اس عورت میں دلچسپی لے رہا ہے۔"

"محکمہ سراغ رسانی یا صرف آپ...... معاف کیجئے گا۔ میں ذرا بے تکلف ہو رہا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے تذکرے بہت سنے ہیں اور میرے ایک عزیز سے آپ کے گہرے تعلقات ہیں۔"

"گہرے نہیں بلکہ لمبے چوڑے۔" حمید مسکرایا۔

"آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔"

"بیگم شوخ اور ناصر صاحب کی دوستی کتنی پرانی تھی۔"

"اس کا مجھے علم نہیں۔ ویسے انہوں نے اس کا تذکرہ ایک ہفتہ پہلے ہی کیا تھا۔ پھر دوسرے دن پاگل ہوگئے تھے۔"

"آپ بڑی بیدردی سے اس ٹریجڈی کا تذکرہ کررہے ہیں۔"

"دیکھئے کپتان صاحب بات دراصل یہ ہے۔" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس پر یقین نہیں ہے۔"

"کس پر......!"

"اسی کہانی اور بھائی ناصر کے پاگل پن پر۔"

"کیوں!"

"بس یونہی...... وہ اس قسم کے آدمی ہیں۔ خاندان والوں میں سنسنی پھیلانے کے لئے

اس سے پہلے بھی مختلف قسم کی حرکتیں کرتے رہے ہیں.....مگر!"

"مگر کیا.....؟"

"مگر آپ اُسی عورت کے سلسلے میں ان سے ملنے آئے ہیں۔"

"ہاں! اور اس کے متعلق آپ جتنی زیادہ معلومات فراہم کر سکیں بہتر ہے۔"

اس سے زیادہ اور کچھ نہ بتا سکوں گا۔"

"اس عورت کا پتہ بتایا تھا ناصر صاحب نے۔"

"نہیں کپتان صاحب۔" نوجوان نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "ورنہ اب تک میں بھی پاگل ہو چکا ہوتا۔"

"خیر.....شکریہ۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔ "اسکا تذکرہ آپ لوگ کسی سے نہیں کریں گے۔"

اب اس کی کار پروفیسر شوخ کی قیام گاہ کی طرف جارہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اُن دونوں سے کس طرح پیش آئے۔ بیگم شوخ معمہ بنتی جارہی تھی۔ جیسے ہی اس کی کار عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی سامنے والی کھڑکی سے ایک سر باہر نکلا۔ یہ پروفیسر شوخ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے کھڑکی سے جست لگائی اور باہر چلا آیا۔

"دیکھئے.....دیکھئے۔" وہ ہاتھ ہلا کر چیخا۔ "بائیں جانب موڑ کر پارک کیجئے ورنہ لان تباہ ہو جائے گا۔"

حمید نے اس کی ہدایت کے مطابق کار بائیں جانب روش پر موڑ کر انجن بند کر دیا۔ پروفیسر شوخ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

حمید کار سے اتر کر اسکی طرف بڑھا۔ پروفیسر اسطرح پلکیں جھپکانے لگا جیسے اُسے پہچاننے کی کوشش کررہا ہو۔ لیکن پھر مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر استفہامیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگا۔

"کیا آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں آپکے بھتیجے کی خیریت دریافت کرنے آیا ہوں۔"

"میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔" بھتیجے کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اس وقت سو رہا ہے۔ مورفیا کے انجکشن کے بغیر وہ سو نہیں سکتا۔ کیا آپ اس کے دوستوں میں سے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ

میں پہلے بھی آپ کو کہیں دیکھ چکا ہوں۔"

"پچھلی رات نیا گرہ میں۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "ہم دونوں پنگ پانگ کھیل رہے تھے۔"

"تب تو آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے......وہ کوئی اور ہوگا۔"

"کیا آپ پروفیسر شوخ نہیں ہیں۔"

"میرے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے۔"

"کیا پچھلی رات ہم ایک سیٹ نہیں کھیلے تھے۔"

"خدا جانے مجھے تو یاد نہیں۔" پروفیسر نے جھنجھلا کر کہا۔

اتنے میں اچانک حمید کی نظر سامنے اٹھ گئی۔ مسز شوخ برآمدے میں کھڑی اُسے اشارے کر رہی تھی۔ پروفیسر کی پشت برآمدے کی طرف تھی۔

مسز شوخ کبھی حمید کو بلاتی کبھی ہاتھ جوڑتی۔ پھر برآمدے سے اتر کر اُن کی طرف تیزی سے بڑھی۔

"اوہ......ہلو......کیپٹن۔" اس نے پراشتیاق لہجے میں حمید کو مخاطب کیا۔

"ارے...... ہاں......آپ کیپٹن حمید ہیں۔ پچھلی رات ہم نے نیا گرہ میں ساتھ کھانا کھایا تھا۔"

"اوہ......لاحول ولاقوۃ۔" پروفیسر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "یہ حضرت فرما رہے تھے کہ میں ان کے ساتھ پچھلی رات وہاں پنگ پانگ کھیلتا رہا۔"

"بہت دلچسپ آدمی ہیں ڈیئر۔"

پروفیسر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا گلاب کی کیاریوں کی طرف چلا گیا اور اس طرح ایک بیلچہ اٹھا کر مٹی کی تہیں الٹنے لگا جیسے حمید کی آمد سے قبل وہ یہی کام کرتا رہا تھا۔

"آیئے.....اندر چلئے۔" مسز شوخ حمید کا ہاتھ پکڑ کر عمارت کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔

حمید خاموشی سے چلتا رہا۔

"آپ کی گاڑی بڑی شاندار ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "کاش میں بھی ایک ایئر کنڈیشنڈ

لنکن خرید سکتی۔"

"آپ چار خرید سکتی ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے......مگر پروفیسر......!"

حمید نے اُس سے جملہ پورا کرنے کی استدعا نہیں کی۔ وہ اُسے ایک شاندار اسٹڈی میں لائی۔ کچھ دیر تک دونوں ہی خاموشی سے بیٹھے ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر حمید بولا۔

"میں ایک شخص کے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی......!" وہ چونک پڑی۔

"ناصر......!" حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کون ناصر......!"

"وہی......ناصر......جسے نیاگرہ میں منہ سے نکلنے والے سانپ کی پوجا کرنی پڑی تھی۔"

"اوہ......!" دفعتاً اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں نظر آئیں لیکن پھر شائد اس نے اپنے اعصاب پر قابو پالیا اور اُس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا آپ کوئی دلچسپ داستان سنائیں گے۔"

"اگر آپ اُسے دلچسپ سمجھ سکیں۔"

"شروع ہو جایئے۔"

حمید آنکھیں بند کر کے مسکرایا۔ اُس نے یک بیک اپنا پورا پلان بدل دیا تھا۔

"صنوبر کے سائے تلے" وہ آنکھیں کھولے بغیر بولا۔ "مگر نہیں...... میں غلط کہہ رہا ہوں۔ وہ تو نیاگرہ کا ریکریئیشن ہال تھا...... جہاں پہلے پہل...... ہا......!"

حمید آنکھیں کھول کر مر مٹنے والے انداز میں مسکرایا۔ پھر بولا۔ "مگر آپ اس وقت اشاروں ہی اشاروں میں میری خوشامدیں کیوں کر رہی تھیں۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کہیں آپ اُس سوئی کا تذکرہ پروفیسر سے نہ کردیں۔"

''چلئے میں نے نہیں کیا۔'' حمید بولا۔ ''لیکن اُس سانپ کی داستان بڑی بُری طرح پھیل رہی ہے۔ اگر پروفیسر کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچی تو کیا ہوگا۔''

''میں اُسے افواہ ثابت کرسکتی ہوں۔'' اُس نے کہا اور پھر اس طرح زرد پڑگئی جیسے وہ جملہ نادانستگی میں زبان سے نکل گیا ہو۔

''خیر اسے آپ افواہ ثابت کرسکتی ہیں۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''لیکن وہ سوئی زندگی بھر میرے دل میں پیوست رہے گی۔''

''آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔''

''میں صرف کبوتر اڑاتا ہوں بشرطیکہ وہ گرہ باز ہوں۔''

''پھر آپ کس لئے تشریف لائے ہیں۔''

''آپ کے بھتیجے داؤد کی خیریت دریافت کرنے کے لئے۔''

''ہڈی ہڈی جوڑ دی گئی ہے اور وہ اس وقت مورفیا کے زیر اثر ہے۔ مگر آپ ناصر کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔''

''آپ جانتی ہیں اُسے۔''

''ہاں میں اُسے جانتی ہوں اور مجھے اعتراف ہے کہ اُسے ایک تحیر انگیز واقعہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔''

''تو یہ حقیقت ہے کہ سانپ آپ کے منہ سے نکلا تھا۔''

''حقیقت ہے۔''

''خدا کی پناہ...... محاورہ غلط ہوگیا۔''

''کیسا محاورہ!''

''آستین میں سانپ پالنا سنا تھا...... مگر پیٹ میں۔''

''بس خاموش رہئے۔ میرے ہی گھر میں بیٹھ کر آپ میرا مضحکہ نہیں اڑا سکتے۔''

''میں مضحکہ نہیں اڑا رہا ہوں بلکہ خود بھی آپ کا یہ کمال دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''دیکھئے نہ تو میں آپ کو اس کے متعلق کچھ بتا سکتی ہوں......اور نہ......!''

''ناصر پاگل ہوگیا ہے اور مینٹل ہاسٹل میں ہے۔ اُس کے اعزہ عنقریب آپ لوگوں پر چڑھ دوڑیں گے۔ وہ بھی اونچے ہی طبقے کے لوگ ہیں۔''

''یہ بات بُری ہوگی۔'' بیگم شوخ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

''بات ختم بھی ہوسکتی ہے۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔''مگر......!''

''مگر کیا......؟''

''اس کے متعلق سب کچھ میرے علم میں آنا چاہئے۔''

مسز شوخ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔''لیکن زبان میرا ساتھ نہ دے تو!''

اُس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آرہے تھے اور چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

''زبان ضرور ساتھ دے گی۔''

''میرے خدا میں کیا کروں۔'' بیگم شوخ نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے ابھی اپنے کپڑے چیر پھاڑ کر دیوانہ وار باہر نکل جائے گی۔

ٹھیک اُسی وقت ایک آدمی اسٹڈی میں داخل ہوا جس کے دونوں ہاتھوں میں کسی جانور کی بڑی بڑی ہڈیاں تھیں۔ اسکے بعد ہی پروفیسر بھی اندر آیا۔ اسکے ہاتھوں میں اب بھی بیلچہ تھا۔

''بیگم......!'' اُس نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔''یہ ذرا...... دیکھو...... یہ ہڈیاں...... ابھی ابھی گلابوں کی ایک کیاری سے برآمد ہوئی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ یہ کم از کم پانچ سو سال پرانی ضرور ہیں۔''

''ہوں گی......!'' بڑی لاپروائی سے کہا گیا۔

''انہیں میں اپنی خواب گاہ میں لٹکاؤں گا۔''

''میرا موڈ اس وقت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس کی بیوی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کیا خیال ہے آپ کا۔'' پروفیسر حمید سے مخاطب ہوگیا۔

''کیا ان ہڈیوں کے ساتھ کوئی تحریر نہیں برآمد ہوئی۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں تو......تحریر کیوں؟''

''ایسی چیزوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی تحریر بھی نکلا کرتی ہے۔ مثلاً میرے دادا جان ایک امرود کے کھیت میں......!''

''امرود کے کھیت......!'' پروفیسر نے حیرت سے دہرایا۔

''جی ہاں...... ہماری طرف امرود کے کھیت ہی ہوتے ہیں۔''

''یہ آپ کی طرف کدھر ہوتی ہے۔'' پروفیسر نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''اُدھر ہی جدھر پروفیسروں کا سورج غروب ہوتا ہے۔ آج کل میں نباتات پر ریسرچ کر رہا ہوں اور عنقریب مجھے پانچویں ڈاکٹریٹ مل جائے گی اور آپ یہ ہڈیاں کیا لئے پھر رہے ہیں۔ آپ یہ تک تو بتا نہیں سکتے کہ یہ شجرۃ الجن کی ہڈیاں ہیں یا شاہ بلوط کی۔''

''ہائیں...... ہائیں......!'' پروفیسر آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا اور اس کی بیوی اسٹڈی سے چلی گئی۔

''جہالت کی باتیں نہ کرو۔'' پروفیسر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا

''آپ کب عقلمندی کی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر آپ مجھے زیادہ بور کریں گے تو میرے منہ سے سانپ نکل پڑے گا۔''

''یار تمہارے دماغ میں فتور معلوم ہوتا ہے۔'' پروفیسر آنکھیں نکال کر بولا۔

''دنیا کے سارے بڑے آدمیوں کے متعلق عام آدمی یہی خیال رکھتے ہیں۔''

''میں عام آدمی ہوں۔'' پروفیسر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''آم کیا میں آپ کو امرود بھی نہیں سمجھتا۔'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

''بیٹھو......بیٹھو۔'' پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''میں تمہارے دماغ کے کیڑے جھاڑوں گا۔''

''گلاب کے پودوں کے کیڑے آپ کو زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔'' حمید نے کہا اور اسٹڈی سے نکل آیا۔

پروفیسر کی بیوی پہلے ہی جا چکی تھی لہٰذا یہاں بیٹھنا دماغ کے کیڑے ہی جھڑوانے کے

مترادف ہوتا مگر اتنی گفتگو کے بعد یہ عورت اور زیادہ معمہ بن گئی تھی۔

حمید لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا کار کے قریب پہنچ گیا لیکن اُسے چونکنا پڑا کیونکہ پروفیسر کی حسین ترین بیوی پچھلی نشست پر نیم دراز تھی۔ اُس نے نیم باز آنکھوں سے حمید کی طرف دیکھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور اس نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔

حمید اندر بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر چکا تھا۔

کار پھاٹک سے سڑک پر نکل آئی لیکن وہ اسی طرح پچھلی سیٹ پر پڑی رہی۔ حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ البتہ اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

دفعتاً بیگم شوخ نے کہا۔ ''مجھے کسی ایسی جگہ لے چلئے جہاں چھت نہ ہو۔ دیواریں نہ ہوں۔ درخت نہ ہوں۔ جھاڑیاں نہ ہوں۔ کسی چٹیل میدان میں لے چلئے۔ میں بھی آج امتحان کرنا چاہتی ہوں۔ تنگ آگئی ہوں اپنی زندگی سے۔''

''میں کچھ سمجھا نہیں محترمہ۔''

''آسانی سے سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے جو کچھ میں کہہ رہی ہوں کیجئے۔''

''چٹیل میدان میں لے چلوں۔''

''ہاں...... جہاں ہم میلوں تک دیکھ سکیں۔ اپنے گردو پیش آسانی سے نظر دوڑا سکیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے ایک طویل سانس لی۔

''آپ نے اس وقت پھر پروفیسر کی توہین کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''وہ بالکل ڈفر ہے۔'' حمید نے کہا۔

''دیکھئے آپ میری بھی توہین کر رہے ہیں۔ وہ میرے شوہر ہیں۔''

''اگر وہ میرے شوہر ہوتے تو میں انہیں زہر دے کر بقیہ زندگی بحالت بیوگی گذار دیتا۔''

''نہیں آپ ایسا نہیں کہہ سکتے۔ خدا کے لئے خاموش رہیے۔''

''تو وہ آپ ہی کا انتخاب ہے۔''

''سو فیصدی۔''

’’کیا میں اس انتخاب کی وجہ پوچھ سکتا ہوں۔‘‘

’’اگر کوئی عورت پوچھتی تو بتا دیتی۔‘‘

’’مجھے بھی مرد نہ سمجھئے۔‘‘

’’اگر آپ ہیں تو ضرور سمجھ جائیں گے۔‘‘

’’ہٹایئے یہ ایک فضول بحث ہے۔‘‘ حمید نے کہا۔ وہ اپنی کار جھریالی کے میدان کی طرف لے جارہا تھا۔

’’پچھلی رات آپ کے ساتھ وہ دیوزاد کون تھا۔‘‘ بیگم شوخ نے پوچھا۔

’’آپ ہی کے گرفتاروں میں سے ایک۔‘‘

’’آپ نہ جانے کیسے آدمی ہیں۔‘‘ وہ بگڑ گئی۔ ’’شریف اور بازاری عورتوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ کیا گفتگو کا یہی طریقہ ہے۔‘‘

’’معاف کیجئے گا۔ آپ سمجھیں نہیں۔ وہ بھی ناصر کے عزیزوں میں سے ہے۔ آج جب اُسے سانپ والا واقعہ معلوم ہوا تو اُسکے دیوتا کوچ کر گئے اب وہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہے۔‘‘

’’لیکن آپ پر کچھ اثر نہیں ہوا۔‘‘

’’ہم لوگ اگر ایسی باتوں سے متاثر ہونے لگیں تو پورا شہر ایک دن میں فنا ہو جائے۔‘‘

’’اوہ...... یہ میدان...... یہ میدان...... بالکل ٹھیک ہے۔‘‘ دفعتاً وہ پُر مسرت لہجے میں بولی۔ کار جھریالی کے میدان میں داخل ہو رہی تھی۔

’’بس اب روک دیجئے۔‘‘ بیگم شوخ نے کہا۔

حمید نے کار روک دی اور بیگم شوخ اس سے پہلے ہی نیچے اتر گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید اُسے متحیرانہ انداز میں گھورتا ہوا نیچے اُتر آیا۔

’’میں شیطان کی محبوبہ ہوں۔‘‘ وہ آنکھیں بند کئے ہوئے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔

’’میں جب بھی اُس کا راز ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہوں تو مجھ پر کوئی نہ کوئی مصیبت

ٹوٹ پڑتی ہے۔ پچھلی رات والی سوئی ایسی ایک مصیبت تھی۔ اگر کوئی مجھ سے عشق جتانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس بُری طرح ڈرایا جاتا ہے کہ پاگل ہو جاتا ہے۔"

پھر وہ آنکھیں کھول کر ہنسنے لگی لیکن ساتھ ہی خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتی بھی جا رہی تھی۔

"لیکن اس وقت مجھ پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوئی اور تم مجھ سے اظہار محبت کر کے دیکھ لو۔"

حمید سناٹے میں آ گیا۔ وہ تو صرف چھیڑ چھاڑ کا رسیا تھا۔

"مم...... میں...... نہیں سمجھا۔" وہ ہانپنے لگا۔

"بس صرف اتنا کہہ دو کہ مجھے تم سے محبت ہے۔"

"اس سے فائدہ۔"

"تجربے کے طور پر...... ورنہ میں ایک شریف عورت ہوں اور ایسی باتوں کو مزاجاً بھی نہیں برداشت کر سکتی...... کہہ دو...... صرف کہنے کی خاطر۔"

"مجھے تم سے محبت ہے۔" حمید خود کو چغد محسوس کرنے لگا۔

بیگم شوخ نے پھر چاروں طرف دیکھا اور بے تحاشہ ہنسنے لگی۔

"اور اگر میں اسی طرح رونا شروع کر دوں تو۔" حمید نے جھینپ کر کہا۔

"میں لوریاں گا کر تمہیں سلا دوں گی۔ آؤ اب واپس چلیں کام ہو گیا۔"

حمید آنکھیں پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔

پُراسرار ذرّات

"میں سب کچھ بتا دوں گی۔ اب مجھے اس سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔ وہ کوئی آدمی ہی ہے۔ انتہائی چالاک اور پراسرار آدمی۔" مسز شوخ نے کہا۔

''اچھی بات ہے۔'' حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''میرا نام حمید ہے محترمہ۔''

''اب پھر آپ اعلان جنگ کرنے والے ہیں۔'' عورت مسکرائی۔ ''میں آپ کو مطمئن کردوں گی۔''

اُس نے آگے بڑھ کر گاڑی کا اگلا دروازہ کھولا اور اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''کیا مجھے اب اپنی گاڑی میں میٹر لگانا پڑے گا۔'' حمید نے اندر بیٹھ کر مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''کرایہ ادا کردوں۔'' وہ بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔

حمید کچھ نہیں بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس عورت کو کیا سمجھے۔ لیکن اس کی باتوں کو مجذوب کی بڑ سمجھنے پر بھی تیار نہیں تھا۔

گاڑی کچے راستوں کے جال سے نکل کر پختہ سڑک پر آگئی تھی۔ مسز شوخ نے کہا۔ ''اگر میرے منہ سے سانپ کا بچہ نکلا تھا تو کیا یہ کوئی جرم ہے۔''

''قطعی نہیں.... اگر آپکے منہ سے ہاتھی کا بچہ نکلے تب بھی قانون کو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔''

''اگر میں نے خود ہی اپنی پنڈلی میں ایک سوئی چبھو رکھی تھی تو آپ مجھ پر کون سی فرد جرم عائد کریں گے۔''

''پاگل پن اور آپ جانتی ہیں کہ قانون نے پاگلوں کیلئے جیل میں کوئی جگہ نہیں رکھی۔''

''بس تو پھر میں یہ ضروری نہیں سمجھتی کہ آپ کو حالات سے آگاہ کیا جائے۔ یہ میرے نجی معاملات ہیں۔''

''میں آپ کو مجبور نہیں کرتا کہ مجھے آگاہ کیجئے۔ ناصر کے اعزہ آپ سے سمجھ لیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ آپ نے اُسے کچھ کھلا دیا ہے۔''

''کیا کھلا دیا ہے۔''

''کوئی ایسی زہریلی چیز جس سے دماغ ماؤف ہوجائے۔''

''اس کے لئے انہیں طبی ثبوت پیش کرنا پڑے گا۔''

''ہٹائیے...... مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی۔''

''پھر کیوں دوڑے آئے۔''

''غلطی ہوئی تھی۔ آپ صرف ہسٹریا کی مریض ہوسکتی ہیں اور اس کی لئے جواز بھی موجود ہے۔ بوڑھوں کی جوان بیویاں اکثر اس مرض میں مبتلا پائی گئی ہیں۔''

''بکواس ہے......!'' وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

''میں آپ کی باتوں کا بُرا نہیں مان سکتا کیونکہ آپ اس وقت بھی دورے ہی کی حالت میں ہیں۔''

''آپ اپنی زبان بند رکھیں تو بہتر ہے۔''

''نہیں میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتا کیونکہ دورہ شدید نہیں ہے یعنی اگر میں نے اپنی بکواس جاری رکھی تو آپ مجھے نوچنے کھسوٹنے کی کوشش نہیں کریں گی۔ اس لئے مجھے بکنے دیجئے۔ اب کہاں چلوں...... نیاگرا...... یا کہیں اور۔''

''میں گھر واپس جانا چاہتی ہوں۔'' اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''یہ ناممکن ہے۔ آپ نے میرا وقت برباد کیا ہے۔''

''پھر آپ کیا کریں گے۔''

''کچھ دیر میں بھی آپ کا وقت برباد کرونگا۔ اگر کہئے تو پروفیسر کا مستقبل بھی برباد کردوں۔''

''آپ سے میں عاجز آ گئی ہوں لیکن کیا آپ دوسرے جملے کی وضاحت کریں گے۔''

''یہی کہ آپ کے چہرے پر تیزاب ڈال دوں۔'' حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور وہ سہم کر ایک طرف سمٹ گئی۔

حمید پھر بولا۔ ''آپ بے حد حسین ہیں اور میں دنیا کی ہر حسین عورت کا چہرہ بگاڑ دینا چاہتا ہوں۔''

''کیوں......؟'' وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

''ایک بار ایک بدصورت عورت نے مجھے اس کی استدعا کی تھی۔''

''آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔''

''یہ نہ میرا قصور ہے اور نہ باتوں کا۔''

عورت تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر بولی۔ ''مجھے میرے گھر پہنچا دیجئے۔''

''یہ ناممکن ہے۔ میں آپ کا وقت برباد کرنے کا عہد کر چکا ہوں۔''

''پھر اگر میرے منہ سے یا آپ کی جیب سے سانپ نکل آئے تو میں نہیں جانتی۔''

''تقریباً تین سو سانپوں کی نگہداشت میرے ذمے ہے۔ لہٰذا میری نظروں میں دو چار سانپ تو کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ دیکھئے آپ کے گال پر چیونٹی ہے۔''

حمید نے اس کے گال پر ہلکی سی تھپکی دی۔

اس نے بُرا سا منہ بنایا لیکن خاموش رہی۔ حمید نے کہا۔ ''شاید آپ کو میرے تین سو سانپوں پر شبہ ہے۔''

وہ پھر بھی کچھ نہ بولی۔ اس کی آنکھوں سے خوف مترشح تھا۔

''پچھلی رات والے خطوط کا تذکرہ یاد ہے آپ کو۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہاں...... مجھے یاد ہے۔ وہ جس کے ہاتھ لگے ہوں گے.....!''

''میں پھر وہی کہانی سننا نہیں چاہتا۔'' حمید نے بیچ ہی سے کاٹ دیا۔

''کاش میں سمجھ سکتی کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔'' عورت نے ایک طویل سانس لی۔

''صرف حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''کوئی نامعلوم آدمی مجھے عشقیہ خطوط لکھتا رہتا ہے جن میں وہ اپنے نام کی جگہ شیطان لکھتا ہے۔ اکثر اُس نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ صرف ایک روح ہے اور دنیا کے ہر آدمی کو سزا دے سکتا ہے۔''

''اوہ......اب میں سمجھ گیا۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن اس وقت تک وہ آپ کو سزا نہیں دے سکا۔''

''نہیں دے سکا.....اسی بناء پر میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی

نہیں ہے۔''

''آپ نے اس سوئی کے متعلق کیا خیال ظاہر کیا تھا۔''

''یہی کہ وہ کسی مشین کے ذریعہ پھینکی گئی ہوگی۔''

''اُس کے متعلق اب میرا بھی یہی نظریہ ہے۔ ممکن ہے ہم لوگوں کا مل بیٹھنا اُسے گراں گذرا ہو۔''

''مگر منہ سے نکلنے والے سانپ۔'' حمید نے سوال کیا۔

''میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ میرے حلق سے ہی نکلا تھا۔ ہوسکتا ہے کہیں دوسری طرف سے آیا ہو۔ ناصر گستاخ و بیباک ہو چلا تھا۔ ٹھیک اسی وقت سانپ والا واقعہ پیش آیا۔ کون جانے شیطان کو اُس کی بیبا کی گراں گزری ہو۔ مگر......!'' عورت خاموش ہوگئی۔

''آپ جملہ پورا کرنا بھول گئی ہیں شاید۔'' حمید نے اُسے ٹوکا۔

''میں سوچتی ہوں اگر کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں ہے تو پھر کیا دن رات میرے پیچھے ہی لگا رہتا ہے۔ اُسے دنیا کا اور کوئی کام نہیں ہے۔''

''عشق بجائے خود ایک بہت بڑا کام ہے۔ کیا آپ نے وہ شعر نہیں سنا۔''

دلوں کو فکر دو عالم سے کردیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

''آپ پھر مضحکہ اڑانے لگے۔'' عورت جھلا گئی۔

''میں تو چارہ سازی کر رہا تھا۔ عاشقوں کے چارہ ساز بھی تو ہوتے ہیں۔ اردو شاعری میں اگر نہ ہوں تو عاشقوں کے سامنے گھاس کون ڈالے۔''

''میں گھر جاؤں گی۔''

''تنہائی سے ہمیشہ دور بھاگئے ورنہ آپ کو بھی اُس شیطان سے عشق ہو جائے گا۔''

''مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں نے اُس شیطان کو پکڑ لیا ہو۔'' عورت نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور حمید نے محسوس کرلیا کہ اشارہ خود اُسی کی طرف ہے۔

''جب عاشقوں کی تعداد بڑھ جائے تو چالاک قسم کے عاشق اسکے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔''

''آپ بے شرم ہیں۔'' عورت کی آواز غصہ سے کانپ رہی تھی۔

''باشرم عاشق تو کوئی مولوی ہی ہوسکتا ہے۔''

''میں آپ کے خلاف کیس دائر کروں گی۔ آپ اتنے دنوں تک مجھے خواہ مخواہ پریشان کرتے رہے۔''

''عاشقوں کو پھانسی نہیں ہوا کرتی۔''

''آپ بدتمیز ہیں۔ میں آپ سے نفرت کرتی ہوں۔''

''آپ کچھ بھی کہئے۔ میرا سایہ آپ کی قبر تک جائے گا۔''

''میں چیخنا شروع کردوں گی۔''

''یہاں دور دور تک آدمیوں کا پتہ نہیں ہے۔ ویسے اگر آپ ان درختوں کو محظوظ کرنا چاہتی ہوں تو مجھے کوئی اعتراض بھی نہیں ہوسکتا۔''

''کار روک دو۔'' عورت نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

حمید نے کار روک دی۔

''تم میرا کچھ نہیں کرسکتے۔'' عورت اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

''میں کب کہتا ہوں کہ کرسکتا ہوں۔''

''پھر یہ سب کیا ہے۔''

''اس کا جواب وہی آدمی دے سکے گا جو اس وقت پاگل خانے میں ہے۔''

''ناصر......!''

''ہاں وہی......!''

''تمہیں پاگل خانے میں ہونا چاہئے تھا۔'' عورت نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''مجھے کیوں ہونا چاہئے جبکہ میں ابھی تک نہ تو گستاخ ہوا ہوں اور نہ بیباک۔''

''تم اتنے دنوں تک مجھے خواہ مخواہ ڈراتے اور سہاتے رہے۔ تمہارے لکھے ہوئے خطوط میں پولیس کے حوالے کردوں گی۔''

''ہوش میں آیئے محترمہ۔ آپ ایک سرکاری آفیسر سے گفتگو کر رہی ہیں۔''

عورت کی آنکھوں میں پھر الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

''تو وہ آدمی آپ نہیں ہیں جو مجھے پریشان کرتا رہا ہے۔''

''پتہ نہیں کس آدمی کی طرف اشارہ ہے آپ کا۔ ویسے پچھلی رات سے شائد میں بھی آپ کو پریشان کر رہا ہوں۔''

جہاں کار رکی تھی اُس کے دونوں طرف نشیب تھا اور پھر دور تک جوار کے گھنے کھیتوں کے سلسلے شروع ہو گئے تھے۔

اچانک دونوں اطراف کی ڈھلانوں سے کچھ آدمیوں نے سر ابھارا۔ ساتھ ہی اُن کے ہاتھ بھی اٹھے جن میں ریوالور تھے اور ان کے چہرے نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔

حمید اپنا سر سہلانے لگا کیونکہ وہ بالکل نہتا تھا۔

وہ لوگ سڑک پر پہنچ کر کار کو نرغے میں لے چکے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی عورت کا شانہ جھنجھوڑ کر غصیلے لہجے میں بولا۔ ''سلیمہ تم نہیں باز آؤ گی۔''

''مم......میں......نن......!'' سلیمہ ہکلا کر رہ گئی۔

''ہاں تم نہیں جانتیں کہ میں کون ہوں۔ لیکن کیا تم اس تنبیہہ کو مذاق سمجھی تھیں۔''

سلیمہ خاموش رہی۔ اُس آدمی نے پھر کہا۔ ''میں تمہیں کسی دوسرے کیساتھ نہیں دیکھ سکتا۔''

''پروفیسر کے متعلق کیا خیال ہے۔'' حمید بول پڑا۔

''تم خاموش بیٹھے رہو۔'' وہ آدمی گرج کر بولا۔ ''میں بہت زیادہ خون بہانے کا عادی نہیں ہوں ورنہ یہاں تمہاری لاش تڑپتی نظر آتی......سلیمہ میں تم سے گفتگو کر رہا ہوں۔''

''میں نہیں جانتی کہ آپ کون ہیں۔'' سلیمہ ہانپتی ہوئی بولی۔

''میں کوئی بھی ہوں لیکن تمہیں اپنا پابند دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''مگ......مگ......مگر......!''

''کسی سرکاری سراغ رساں سے تمہارا گٹھ جوڑ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اگر تم اسے کسی

قابل سمجھتی ہو تو میں تمہیں اس کی موجودگی میں کھینچ لے جاؤں گا۔''

''اچھا اب تم اپنی زبان بند کرو۔'' حمید کو غصہ آ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے آ لگی۔

''اتارلو اس عورت کو۔'' اُس آدمی نے گرج کر کہا اور سلیمہ بڑی بے بسی سے ''نہیں نہیں'' کرنے لگی لیکن اُن لوگوں نے اُسے کھینچ کر اتار ہی لیا۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی اور اس کی آنکھیں حمید سے التجا کر رہی تھیں......اور حمید جو فریدی کا شاگرد تھا سوچ رہا تھا کہ ایسے مواقع پر جب اپنے پاس بچاؤ کے لئے کچھ بھی نہ ہو دلیری دکھانا حماقت ہی ہے۔ ہاں اگر حکمت عملی کوئی نئی راہ دکھا دے تو دوسری بات ہے۔ وہ نہتا تھا اور ان کی تعداد آٹھ تھی اور آٹھ ہی ریوالوروں کی نالیں اُس کے لئے اپنے فن کا مظاہرہ کر سکتی تھیں لیکن خود حمید اپنا جسم چھلنی کرانے کا دلدادہ نہیں تھا اس لئے وہ نہایت خاموشی سے بیٹھا رہا۔

اگر وہ کار کے باہر ہوتا تو شاید خاموشی اُسے گراں گزرنے لگتی اور وہ کچھ نہ کچھ ضرور کر گزرتا مگر اس صورت میں تو کار سے اترتے اترتے وہ دوسری دنیا کا سفر کر سکتا تھا۔

سلیمہ کو زمین پر گرا کر اُس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے گئے۔ منہ میں کپڑا ٹھونسا گیا اور وہ کسی ایسے خوفزدہ پرندے کی طرح بے بس ہانپتی رہی جو باز کے چنگل میں جا پھنسا ہو۔

حمید کی کنپٹی سے ابھی تک ریوالور کی نال لگی ہوئی تھی۔ دو آدمیوں نے سلیمہ کو اٹھایا اور بائیں جانب والے نشیب میں اتر گئے۔

ان کے بعد ہی دوسروں نے بھی اُدھر ہی چھلانگیں لگائیں لیکن وہ آدمی بدستور وہیں کھڑا رہا جس نے حمید کی کنپٹی سے ریوالور کی نال لگا رکھی تھی۔

''اب کیا ارادہ ہے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''کچھ نہیں بس اتنی دیر اور کہ وہ لوگ ایک خاص مقام تک پہنچ جائیں۔''

''یہ عورت واقعی بہت حسین ہے۔'' حمید نے کہا۔

وہ آدمی کچھ نہ بولا۔ حمید کہتا رہا۔ ''اگر تم لوگوں نے اُسے کوئی تکلیف پہنچائی تو خدا تمہیں

غارت کرے گا۔“

وہ آدمی ہنس پڑا اور پھر بولا۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ شاید تم لوگ ہم لوگوں کو غارت کر دینے کا ارادہ ظاہر کرو گے۔“

”خدا غارت کرے گا۔“

”اب پولیس والے کوسنے لگے ہیں۔“ اُس آدمی نے قہقہہ لگایا۔ ٹھیک اُسی وقت حمید نے سر پیچھے ہٹا کر اُس کے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا۔ پھر دو تین جھٹکوں کے بعد حمید نے اُس کا ریوالور چھین لیا اور وہ آدمی اس سے ہاتھ چھیڑا کر بھاگا جتنی دیر میں وہ کار سے اترتا وہ آدمی نشیب میں چھلانگ لگا چکا تھا۔

حمید بھی اُدھر ہی لپکا لیکن پھر وہ جوار کے کھیتوں کو بُرا بھلا کہنے لگا جن میں کھڑی ہوئی قدِ آدم فصل اُس آدمی کو نگل گئی تھی۔

حمید کافی دیر تک کھیتوں میں بھٹکتا رہا پھر تھک ہار کر واپس آ گیا۔ وہ اب بھی غصیلی نظروں سے کھیتوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے کار اسٹارٹ کی لیکن اب وہ شدید ترین الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا اگر شوخ کی کوٹھی کے کسی آدمی نے سلیمہ کو اس کی کار میں بیٹھے دیکھ لیا ہو گا تو اُس کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔

حالات اُس کی سمجھ سے باہر تھے۔ وہ شروع سے اب تک کے واقعات کا جائزہ لینے لگا۔ اگر سلیمہ کے بیان کے مطابق اس پراسرار آدمی کو کوئی مافوق الفطرت ہستی سمجھ لیا جائے تو اس وقت کا واقعہ بے معنی ہو کر رہ جائے گا اور اگر یہ سمجھا جائے کہ سلیمہ کے اس تجربے کے بعد اُس نے بھی اپنا رویہ بدل دیا تب بھی اس کے مافوق الفطرت ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ایسی صورت میں یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ اسے اس تجربہ کا علم کیسے ہوا؟ اور اس سوال کا جواب یہی ہونا چاہئے کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے ورنہ اُسے اس تجربے کا علم نہ ہو سکتا کیونکہ حمید کے خیال کے مطابق کسی نے ان کا تعاقب بھی نہیں کیا تھا۔

وہ اسی ادھیڑ بن میں گھر تک پہنچ گیا جیسے ہی کمپاؤنڈ میں کار پہنچی اُسے چکر سے آنے لگے کیونکہ برآمدے میں اُسے فریدی دکھائی دیا جو ایک نوکر سے کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ تین دن بعد گھر واپس آیا تھا۔ حمید کار گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔ واپسی پر بھی اس نے فریدی کو برآمدے ہی میں موجود پایا۔

''کیوں؟ کیا قصہ ہے؟'' فریدی اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔ ''تمہارے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔''

''کچھ نہیں......!'' حمید زبردستی ہنسا۔ ''آپ کہاں تھے۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ اندر جانے کے لئے مڑ گیا تھا۔ حمید سوچنے لگا کہ فریدی کو اس واقعہ کی اطلاع دے یا نہ دے۔ کافی سوچ بچار کے بعد اُس نے طے کیا کہ اُسے خاموش ہی رہنا چاہئے۔ ممکن ہے سلیمہ اب تک گھر بھی پہنچ چکی ہو۔ اگر مقصد اس کا اغواء ہوتا تو آج ہی کیا ضروری تھا۔ یہ کام اس سے پہلے ہی ہو چکا ہوتا۔ ممکن ہے مجرموں نے اُسے وقتی طور پر چڑھانے اور اشتعال دلانے کے لئے ایسا کیا ہو۔

وہ اندر آیا۔ یہاں نوکروں سے معلوم ہوا کہ فریدی اوپر لیبارٹری میں ہے۔

حمید اوپر چلا گیا۔ تین دن بعد فریدی سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے اُسے مائیکرو اسکوپ پر جھکے ہوئے دیکھا۔ حمید کی آہٹ پر وہ چونک پڑا۔ پھر اُس نے حمید کو اشارے سے اپنے قریب بلایا۔

''دیکھو......!'' اُس نے مائیکرواسکوپ کے لینس کی طرف اشارہ کیا۔ حمید نے شیشے سے آنکھ لگا دی۔ سلائیڈ پر بے شمار چمکدار ذرات نظر آ رہے تھے۔

''کیا دیکھا......!''

''پریاں ناچ رہی ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ڈالڈا کے ڈبے ہیں۔ اُررر......نہیں...... میرے خدا......ان ذرات سے تو شعاعیں سی پھوٹ رہی ہیں۔ نیلی اور بنفشی۔ یہ کیا بلا ہے۔'' حمید نے شیشے سے آنکھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارے لئے ایک مصیبت ثابت ہونے والی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"یعنی......!"

"ایک شاندار کیس......!" فریدی کا جواب تھا۔

کھیتوں میں

کیس کا نام سن کر حمید کی جان نکل گئی اور وہ کراہ کر فرش پر بیٹھ گیا۔

"یہ ذرات......!" فریدی کہتا رہا۔ "تار جام کی لوہے کی ایک کان سے برآمد ہوئے ہیں جو لوہے کے ذرات ہرگز نہیں ہو سکتے۔"

"ارے تو یہ کیس ہو گیا۔" حمید نے رونی آواز میں کہا۔

"کیونکہ کان کن کمپنی اسے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہی ہے حالانکہ اس کی اطلاع حکومت کو ہونی چاہئے......اور یہ کان کن کمپنی غیر ملکی ہے۔"

"یہ ذرات آپ کو کب اور کہاں ملے؟"

"یہ میرے پاس تقریباً پندرہ دن سے ہیں اور آج میں ان سے دو طرح کی شعاعیں خارج کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

"آپ......!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں! کیوں؟ یہ اتنی بڑی تجربہ گاہ آخر کس لئے ہے۔"

"ان ذرات میں پہلے کیا خصوصیت تھی جس نے آپ کو دلچسپی لینے پر مجبور کیا۔"

"ہر ذرے کے گرد فاسفئی رنگ کے دائرے سے معلوم ہوتے تھے۔"

"کاش وہ دائرے میرے لئے پھانسی کا پھندا بن جاتے مگر یہ آپکے ہاتھ کیسے لگے۔"

"کمپنی کے ایک محب وطن دیسی ڈائریکٹر نے مجھے اطلاع دی تھی۔ پھر میں نے اپنے طور

پر یہ ذرات حاصل کر لئے چونکہ اس ڈائریکٹر کو علم الارض سے دلچسپی ہے۔ اس لئے اس کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی۔ دوسرے دیسی ڈائریکٹروں کو اس کا علم نہیں ہے۔"

"خدا اس دیسی ڈائریکٹر کی دس شادیاں کرادے تاکہ اُسے علم البقر کے علاوہ کسی اور علم سے دلچسپی نہ رہ جائے۔"

فریدی ہنسنے لگا اور حمید بولا۔ "تو یہ ذرات مصیبت کیوں بنیں گے۔ کان کنی رکوائی بھی تو جاسکتی ہے۔"

"آسانی سے نہیں۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "پہلے تحقیقات ہوگی اگر یہ ثابت ہوگیا تو کوئی کارروائی کی جاسکے گی ورنہ نہیں۔ لیکن اتنی دیر میں وہ لوگ حاصل کئے ہوئے ذخیرے کو باہر بھیجنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔"

"تو ذخیرے ہی پر کیوں نہ قبضہ کرلیا جائے۔"

"یہ تو مصیبت ہے کہ وہ جگہ ابھی تاریکی میں ہے جہاں اُن لوگوں نے اسکا ذخیرہ کیا ہے۔"

"کیا پتہ ذخیرہ یہاں سے منتقل بھی کیا جاچکا ہو۔"

"نہیں......ابھی کوئی تدبیر ان کی سمجھ میں نہیں آسکی۔"

"ذخیرے کا علم آپ کو کیسے ہوا۔"

"یہ بھی اُسی دیسی ڈائریکٹر کی اطلاع ہے۔ اُس نے غیر ملکی ڈائریکٹروں کو اس مسئلے پر گفتگو کرتے سنا تھا۔"

"غالباً چھپ کر سنا ہوگا۔"

"یقیناً......!"

"دوسروں کی باتیں چھپ کر سننا اور پھر اُسے ادھر اُدھر کہتے پھرنا بہت بڑا گناہ ہے، جو کبھی معاف نہیں ہوتا۔"

"اور ہم پرانے گناہ گار ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"میں تائب ہوجانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

فریدی پھر ذرات کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔

''آپ تارجام ہی میں تھے۔''

''ہاں......اور کل پھر جاؤں گا۔ مگر تنہا نہیں تم بھی میرے ساتھ ہوگے۔''

''تارجام بڑی خشک جگہ ہے۔''

''نہیں اب وہاں کے ہوٹلوں میں بھی لڑکیاں نظر آنے لگی ہیں۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

''شکر ہے کہ ان پر آپ کی نظر تو پڑی۔''

''بس اب دفع ہوجاؤ۔ ورنہ یہ لیبارٹری اندر سبھا بن کر رہ جائے گی۔''

''آپ کا مقدر ہی بنجر ہے۔ کوئی کیا کرے؟'' حمید نے کہا اور لیبارٹری سے چلا آیا۔

پھر بقیہ وقت سکون سے گذرا۔ نہ فریدی نے اُسے طلب کیا اور نہ حمید کو یہی معلوم ہوسکا کہ وہ گھر کے کس حصے میں کیا کر رہا ہے۔

رات بھی چین سے گزری۔ یعنی طلب کر کے کسی مسئلے پر بحث نہیں کی گئی۔ ہر ایسے موقع پر جب فریدی کے ہاتھ میں کوئی کیس ہوتا تھا حمید خود ہی اس سے کترانے لگتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ آج کل وہ ذہنی جمناسٹک سے ذرا دور بھاگنے لگا تھا۔ البتہ ان کاموں کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا جن میں صرف جسمانی انرجی صرف ہوتی ہو۔

دوسری صبح وہ دیر سے اٹھا تھا۔ فریدی ناشتہ کر چکا تھا۔ حمید ناشتہ کر ہی رہا تھا کہ ایک نوکر نے آکر اطلاع دی کہ فریدی نے اُسے ڈرائینگ روم میں طلب کیا ہے۔ اس نے جلدی جلدی ناشتہ ختم کیا۔

لیکن ڈرائینگ روم میں قدم رکھتے ہی اس کا دم نکل گیا کیونکہ سامنے ہی پروفیسر شوخ براجمان تھا اور بہت غصے میں معلوم ہوتا تھا۔

''جی ہاں......یہی حضرت ہیں۔'' وہ حمید کو دیکھتے ہی اچھل کر دہاڑا۔ پھر حمید کو للکارا۔

''سلیمہ کہاں ہے؟''

''میں کیا جانوں۔ میں کیا بتا سکتا ہوں۔'' حمید نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

''آپ اُسے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔اس کے بعد سے وہ گھر واپس نہیں آئی۔''

''میں نہیں لے گیا تھا بلکہ وہ خود گئی تھیں۔''

''وہ کہاں ہے۔''

''میں نہیں جانتا۔انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے جیمس اسٹریٹ میں اتار دینا۔''

''پھر......؟''

''پھر کیا......میں نے انہیں جیمس اسٹریٹ میں اتار دیا۔''

''آپ میرے یہاں آئے ہی کیوں تھے۔'' پروفیسر چنگھاڑا۔

''انہوں نے مجھ سے استدعا کی تھی کہ میں اُنکا کھویا ہوا پرس تلاش کرنے میں مدد دوں۔''

''یہ قطعی بکواس ہے۔سلیمہ نے یہ کبھی نہ کہا ہوگا جب کہ میں اُسے خاموش رہنے کا مشورہ دے چکا تھا۔''

''لیکن وہ خاموش نہیں رہیں۔'' حمید نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔اگر وہ شام تک واپس نہ آئی تو میں آپ کے خلاف قانونی کارروائی کردوں گا۔''

''آپ میرے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔'' حمید کو بھی غصہ آ گیا۔

''آپ ایک آوارہ آدمی ہیں۔ میں آپ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتا۔''

''اب آپ اپنی زبان بند رکھیں گے۔''

''دھاندلی نہیں چلے گی۔'' پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔''قانون سب کے لئے یکساں ہے خواہ وہ کوئی پولیس آفیسر ہو، خواہ کوئی عام شہری۔''

''ٹھیک ہے پروفیسر۔'' یک بیک فریدی نے کہا۔''لیکن کیا وہ اکثر راتوں کو آپ کے علم میں لائے بغیر گھر سے باہر رہتی ہیں۔''

''میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' پروفیسر اس کی طرف مڑا۔

''ابھی تو میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ کہنے نہ کہنے کا دارومدار میرے اس سوال پر ہے۔''

''ہاں......اکثر وہ رات کو باہر ہی رہ جاتی ہے۔''

''آپ کو اطلاع دیئے بغیر ہی۔''

''نہیں......وہ مجھے فون پر اطلاع دیا کرتی ہے یا کہہ کر جاتی ہے۔''

''کل دونوں ہی باتیں نہیں ہوئیں۔'' فریدی نے سوال کیا۔

''ہاں کل نہ تو وہ مجھے بتا کر گئی اور نہ ہی فون پر اطلاع دی۔''

''پھر بھی آپ نے رات کسی تشویش کے بغیر گزاری۔''

''میں رات بھر سو نہیں سکا۔ جہاں جہاں اس کے ملنے کے امکانات ہوسکتے تھے۔ فون کیئے لیکن کہیں سے کوئی اطلاع نہ مل سکی۔''

''لیکن آپ نے کیپٹن حمید کو فون نہیں کیا۔''

''یہ تو مجھے آج صبح معلوم ہوا کہ وہ ان حضرت کے ساتھ گئی تھی۔ ایک ایسے نوکر نے انہیں جاتے دیکھا تھا جو صرف دن کے لئے ہے۔ رات اپنے گھر پر بسر کرتا ہے۔''

''آپ اُس وقت کہاں تھے جب یہ دونوں گئے تھے۔''

''میں اندر تھا۔''

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ''اچھی بات ہے پروفیسر اگر مزید دو گھنٹے تک مزید ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملے تو مجھے فون کیجئے گا۔''

''ضرور کروں گا۔'' پروفیسر حمید کو گھورتا ہوا تلخ لہجے میں بولا۔ ''اب میں سب سے پہلے اُس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کراؤں گا۔''

''میں ابھی اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔'' فریدی بولا۔

''کیا میں آپ کے مشورے کا پابند ہوں۔'' پروفیسر نے جھلا کر کہا۔

''جاؤ درج کرادو رپورٹ۔'' حمید ہاتھ ہلا کر غرایا۔ ''بس اب چلے ہی جاؤ ورنہ اٹھا کر

کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا۔"

"دھمکی......اچھا اچھا دیکھ لوں گا۔" پروفیسر اٹھتا ہوا بولا۔

فریدی نے حمید کو ڈانٹا اور پروفیسر سے کہا۔ "پروفیسر! مجھے افسوس ہے کہ آپ اس سلسلے میں میرے اسسٹنٹ کا نام لے رہے ہیں۔ لہٰذا میں کوشش کروں گا۔"

"وہ تو کرنی ہی پڑے گی۔" پروفیسر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔

حمید اُسے پھاٹک سے گذرتے دیکھتا رہا۔

پھر وہ فریدی کی طرف مڑا جو اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

"یہ بھی ایک کیس ہی ہے کرنل صاحب۔" حمید دل کڑا کر کے بولا۔ "میں نے اسے جیمس اسٹریٹ میں نہیں اتارا تھا بلکہ جھریالی کے میدان میں لے گیا تھا اور پھر جوار کے کھیت اُسے نگل گئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حمید کو متواتر گھورے جا رہا تھا۔ لہٰذا حمید نے اسی میں عافیت سمجھی کہ جلد از جلد اُسے حالات سے آگاہ کر دے۔

فریدی بہت توجہ اور دلچسپی سے سن رہا تھا اور اب اُس کے چہرے پر غصے کے آثار بھی نہیں تھے۔

"تم نے مجھے کل ہی کیوں نہیں بتایا تھا۔" اس نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

"میں سمجھا تھا کہ وہ گھر پہنچ گئی ہوگی۔ اُن لوگوں نے مجھے تاؤ دلانے کیلئے ایسا کیا ہے۔"

"بڑی دلچسپ کہانی ہے بشرطیکہ تم نے غلط بیانی سے کام نہ لیا ہو۔"

"اس میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں ہے۔" حمید بولا۔ "کیا پہلے کبھی میں نے آپ سے جھوٹ بولنے کی کوشش کی ہے۔ تفریحی معاملات کی بات الگ ہے۔"

"اچھا تو اٹھو۔ میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں وہ واقعہ پیش آیا تھا۔"

کچھ دیر بعد فریدی کی لنکن کمپاؤنڈ سے نکل رہی تھی۔ حمید نے کہا۔ "یہ پروفیسر ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا۔"

''شوہروں سے زیادہ بیویوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔'' فریدی بولا۔

''تب تو پھر یہ معاملہ آپ سے نہیں سنبھلے گا۔''

''کیوں؟''

''ممکن ہے آپ شوہروں کے متعلق کچھ جانتے ہوں......لیکن بیویوں!''

''میں دونوں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔''

''حالانکہ یہ صرف شوہر اور بیوی کا کیس معلوم ہوتا ہے۔''

''ممکن ہے۔'' فریدی نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

کار شہری آبادی کو پیچھے چھوڑنے لگی۔ وہ جھریالی کی طرف جا رہے تھے اور حمید کا ذہن سلیمہ میں الجھا ہوا تھا۔ وہ پُراسرار عورت......شیطان کی محبوبہ......اس کے مقابلے میں وہ آدمی اُسے بے وقعت معلوم ہو رہے تھے جو اُسے اٹھا کر لے گئے تھے۔''

کچھ دیر بعد فریدی نے کہا۔ ''وہ رپورٹ درج کرا دینے کی دھمکی دے کر گیا ہے۔''

''دھمکیوں سے میں نہیں ڈرتا۔ میرا بیان پہلے ہی سے تیار ہے۔ میں نے اُسے جیمس اسٹریٹ میں اسی کے کہنے پر اتار دیا تھا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر وہ اچانک خود ہی ظاہر ہو کر کوئی نئی کہانی سنائے تو تم کہاں پائے جاؤ گے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''وہ کہے کہ اس اغواء میں تمہارا ہی ہاتھ تھا۔''

''اگر وہ یہ کہہ دے تو مجھے دنیا کی ساری حسین عورتوں کو گولی مار دینی پڑے گی۔ نہیں وہ ایک مظلوم عورت ہے۔ ایک بوڑھے کی نوجوان بیوی اور بیرونی عشاق کی زبردستیوں کا شکار۔''

''تم اس پیشے سے علیحدگی اختیار کر کے کوئی اور دھندہ دیکھو تو بہتر ہے۔''

''کیوں......بس یہیں......یہیں روک دیجئے۔'' حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''ہم کچھ آگے بڑھ آئے ہیں۔''

''یادداشت دھوکا تو نہیں دے رہی ہے۔''

''نہیں......ہم تقریباً دوسوگز آگے آ گئے ہیں۔''

کار رک چکی تھی۔ وہ دونوں اُتر گئے۔

''ہاں یہ جگہ ایسے کاموں کے لئے بہت مناسب معلوم ہوتی ہے۔'' فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر وہ اس جگہ آئے جہاں حمید کو تلخ تجربے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ حمید نے وہ سمت بتائی جدھر وہ لوگ سلیمہ کو لے کر گئے تھے۔

فریدی نشیب میں اُتر گیا لیکن حمید اوپر سڑک ہی پر کھڑا رہا۔ فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا آہستہ آہستہ کھیتوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ہوا تیز تھی اور جوار کے کھیتوں کی کھر کھراہٹ سے فضا گونجی، حمید نے فریدی کو زمین سے کوئی چیز اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ وہ کھیتوں میں پہنچ گیا تھا۔ شاید وہ کپڑے کا ٹکڑا تھا، جو فریدی نے جوار کے پودوں کے درمیان سے کھینچ کر نکالا تھا۔

حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ فریدی نے بھی اُسے اپنے پاس نہیں بلایا۔ اچانک حمید کو بائیں جانب والے نشیب میں کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی اور وہ اُدھر جھپٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اگر وہ خود کو سڑک پر گرا نہ دیتا تو کھوپڑی صاف ہوگئی تھی۔ دوسری طرف کے نشیب میں کئی آدمی تھے اور اُن میں سے ایک نے فائر کر دیا تھا۔ حمید نے بھی ریوالور نکال کر ایک ہوائی فائر کیا کیونکہ وہ لوگ ابھی نشیب ہی میں تھے۔ فریدی شائد پہلے ہی فائر پر دوڑ پڑا تھا۔ وہ بھی حمید ہی کی طرح سڑک پر گر کر دوسرے کنارے کی طرف رینگنے لگا۔

''ہوشیاری سے۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''وہ لوگ یقینی طور پر کھیتوں میں جا گھسے ہوں گے۔ کسی درخت کے تنے کی آڑ لینے کی کوشش کرو۔ یہی مناسب ہے۔''

''اگر اِدھر سے بھی ہوا تو۔'' حمید نے دوسری طرف اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے۔'' فریدی بولا۔ ''تم اُدھر جاؤ......میں اُدھر دیکھتا ہوں۔''

سڑک کے کناروں پر دو رویہ بڑے بڑے تناور درخت تھے۔ دونوں درختوں کے تنوں کی اوٹ میں ہو گئے لیکن وہ اب بھی سینے کے بل زمین ہی پر پڑے ہوئے تھے اور یہاں سے وہ کھیتوں کو بخوبی نظر میں رکھ سکتے تھے۔ ساتھ ہی وہ سڑک کی بھی نگرانی کر رہے تھے۔

فریدی نے کھیتوں کی طرف دو فائر کئے۔ ادھر سے بھی جواب میں فائر ہوئے جدھر حمید تھا اُدھر سکون ہی رہا۔

تقریباً پندرہ منٹ تک دونوں طرف سے فائر ہوتے رہے۔ پھر سناٹا چھا گیا۔

''ارے یہ دعوت ختم ہوئی یا نہیں۔'' حمید کراہا۔ ''سڑک چھاتی سے چمٹی جا رہی ہے۔''

''گاڑی کی طرف جاؤ۔'' فریدی نے کہا۔

''اسی طرح لیٹے لیٹے۔''

''ہاں......!''

''ارے باپ رے۔''

حمید کسی نہ کسی طرح گاڑی تک پہنچا اور اُسے اسٹارٹ کر کے وہاں لے آیا جہاں فریدی درخت کے تنے کی اوٹ میں پڑا ہوا تھا۔

وہ بھی کار میں آ بیٹھا اور کار چل پڑی۔

''اب......!'' حمید نے سوالیہ انداز میں کہا اور خاموش ہو گیا۔

''تو یہ عورت خطرناک آدمیوں کے ہاتھ میں پڑی ہے۔'' فریدی بولا۔

''اور شاید وہ کھیتوں ہی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔'' حمید نے کہا۔

''عورت......!'' فریدی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''ہائیں...... ہائیں...... یہ کیا...... آپ کو نمونیہ ہو جائے گا۔''

''میں تمہیں سینکڑوں بار سمجھا چکا ہوں کہ عورت کا چکر بُرا ہے۔''

''واقعی بُرا ہے اگر اُسی عورت نے مجھے جنم نہ دیا ہوتا تو جلتی ہوئی سڑکوں پر سینے کے بل نہ پڑا رہتا مگر آپ نے اس فائرنگ کے متعلق اظہار خیال نہیں کیا۔''

''وہ پاگل پن کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ میرا خیال ہے وہ اس عورت سے زیادہ تم میں دلچسپی لے رہے ہیں۔''

''مجھ میں کیوں؟''

''پتہ نہیں...... ورنہ اس طرح فائرنگ کر کے بھاگ جانے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔''

''مگر ان کے خلاف آپ کیا کریں گے۔''

''تم شاید یہ چاہتے تھے کہ میں کھیتوں میں جا گھستا۔''

''میرا دل تو یہی چاہتا تھا۔''

''ایسے افعال کا دوسرا نام خودکشی ہے۔''

پروفیسر کا شبہ

تین دن سے سلیمہ کی تلاش اعلیٰ پیمانے پر جاری تھی لیکن اس کا سراغ ابھی تک نہیں ملا تھا۔ پروفیسر نے باقاعدہ طور پر اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرادی تھی جس میں کیپٹن حمید کا نام واضح طور پر لیا گیا تھا۔ فریدی نے ان کھیتوں کو چھنوا ڈالا لیکن حملہ آوروں کا پتہ نہیں چل سکا۔ یہ حمید کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ کھیتوں میں کسے تلاش کیا گیا تھا کیونکہ حمید ابھی تک اپنے پچھلے ہی بیان پر قائم تھا کہ اس نے سلیمہ کو جیمس اسٹریٹ میں اتار دیا تھا۔

فریدی کی دوڑ دونوں طرف جاری تھی اگر صبح تا رجام میں ہوتی تو شام شہر میں۔ حمید الگ دن بھر سرگرداں رہتا کیونکہ اب پروفیسر شوخ نے اُس پر گرجنے برسنے کی بجائے رونا اور گڑگڑانا شروع کر دیا تھا۔ حمید کی دانست میں وہ سلیمہ سے بے حد محبت کرتا تھا۔

''میں اُس کے بغیر مر جاؤں گا کیپٹن۔'' وہ حمید سے کہہ رہا تھا۔

''تو آخر آپ کتنے دن زندہ رہو گے۔ یونہی عمر کافی ہوئی۔ ہوسکتا ہے سلیمہ کی گمشدگی ہی

تمہاری موت کا بہانہ بن جائے۔"

"تم سنگدل ہو۔" بوڑھے پروفیسر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

اتنے میں اُس کا بھتیجا داؤد آ گیا جو پہیوں والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے ایک پیر پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ حمید نے اُسے آج پہلی ہی بار دیکھا تھا۔

داؤد اچھے ہاتھ پاؤں کا ایک لمبا تڑنگا جوان تھا۔ دل کا مضبوط بھی معلوم ہوتا تھا کیونکہ اُسکے چہرے پر حمید کو اضمحلال نہیں نظر آیا تھا۔ حالانکہ اُسکی ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ اُسے تو بستر سے ہلنا بھی نہ چاہیئے تھا مگر وہ پہیوں والی کرسی پر بیٹھا عمارت میں گھومتا پھر رہا تھا۔

"آپ کی تعریف انکل۔" اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر پروفیسر سے کہا۔

"محکمہ سراغ رسانی کے کیپٹن حمید۔"

"اوہ تو آپ ہی ہیں۔" داؤد حمید کو نیچے سے اوپر تک گھور رہا تھا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ داؤد کو ٹٹو لنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیوں جناب! آخر یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا۔" اُس نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"جب تک خدا چاہے گا۔"

"یا آپ چاہیں گے۔"

"آپ مجھ پر اس قسم کا کوئی الزام نہیں رکھ سکتے مسٹر داؤد۔ کوئی بات زبان سے نکالنے سے پہلے اس پر غور کرلیا کیجئے۔"

"داؤد بیکار باتیں نہ کرو۔" پروفیسر اس کی طرف مڑ کر بولا۔

"بس کیا بتاؤں کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوں ورنہ ایک ایک سے سمجھ لیتا۔" داؤد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا اشارہ میری طرف ہے۔" حمید کو بھی غصہ آ گیا۔ "اچھی بات ہے۔ میں آپ کے صحت یاب ہوجانے کا انتظار کروں گا۔"

"داؤد......خدا کے لئے۔" پروفیسر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "جاؤ تم آرام کرو۔"

داؤد نے کرسی موڑی اور پہیوں کو پھراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

''تم کچھ خیال نہ کرنا کیپٹن۔'' پروفیسر نے حمید سے کہا۔ ''یہ لڑکا بہت اکھڑ ہے۔''

''میں اکھڑ ترین ہوں۔''

''کیپٹن پلیز......!''

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''آخر تم کسی کے خلاف شبہ کیوں ظاہر نہیں کرتے۔ ایسا کئے بغیر سراغ ملنا مشکل ہے۔ مجھے دو چار ایسے نام لکھوا دو جن پر تمہیں شبہ ہو۔''

''میں شبہ کس پر ظاہر کروں جبکہ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ جیمس اسٹریٹ کیوں گئی تھی۔''

''کیا وہاں کوئی شناسا نہیں رہتا۔'' حمید نے کہا۔

''میرا کوئی شناسا نہیں رہتا۔'' پروفیسر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ''ہوسکتا ہے اس کا کوئی ہو لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔''

اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا جیسے وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آؤ......آؤ......میرے ساتھ۔'' پروفیسر اس کا ہاتھ پکڑ کر مضطربانہ انداز میں بولا۔ وہ اُسے ایک طرف لے جا رہا تھا۔ پھر انہوں نے بالائی منزل کے لئے زینے طے کئے اور اوپر پہنچ کر پروفیسر اسے ایک کمرے میں لے گیا۔ دروازہ بند کر دینے کے بعد وہ حمید کی طرف مڑا۔

''شبہ ظاہر کر دوں۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''یقیناً......اس کے بغیر کام نہیں بنے گا۔''

''مجھے داؤد پر شبہ ہے۔'' پروفیسر نے بہت آہستہ سے کہا۔

''کمال ہے۔ کل تک آپ کو مجھ پر بھی شبہ تھا۔''

''شبہے کی وجہ ہے کیپٹن......داؤد بے ایمان اور غاصب ہے۔ میں نظریں پہچانتا ہوں۔ وہ سلیمہ کو اُن نظروں سے نہیں دیکھتا تھا جن سے بچی کو دیکھنا چاہیئے۔''

''ہوسکتا ہے......ممکن ہے......!'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن وہ تو چل پھر نہیں سکتا۔''

''مجھے اس پر بھی شبہ ہے۔''

''کیوں......؟''

''میں اُسے ڈریسنگ ہو جانے کے بعد ہی دیکھ سکا تھا اور پھر میری عدم موجودگی میں پلاسٹر بھی چڑھا دیا گیا۔''

''جب وہ گرا ہوگا تو کوئی نہ کوئی عمارت میں ضرور موجود رہا ہوگا۔''

''تین نوکر تھے لیکن کسی نے بھی اُسے گرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ صرف اس کی چیخیں سن کر دوڑے تھے۔ وہ زینوں کے نیچے پڑا تڑپ رہا تھا حالانکہ اُسے بیہوش ہو جانا چاہئے تھا۔ پنڈلی کی ہڈی ٹوٹی تھی کیپٹن...... مذاق نہیں ہے۔ میں نے بڑے بڑے پہلوانوں کو بیہوش ہوتے دیکھا ہے۔ داؤد کی کیا حقیقت ہے۔ آپ نے ابھی اُسے دیکھا تو تھا۔ کیا اُس کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کے کسی حصے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔''

''یہ تو کوئی بات نہیں۔ ایسے بہتیرے آدمی میری نظر سے گذرے ہیں جو سینے پر گولی کھانے کے بعد بھی اُس وقت تک مسکراتے رہے ہیں جب تک کہ مر ہی نہیں گئے۔''

''آپ نے شبہ ظاہر کرنے کے لئے کہا تھا۔'' پروفیسر نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ ''میں نے ظاہر کر دیا۔ اب دیکھنا ہے کہ آپ کیا کرتے ہیں۔''

حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پروفیسر نے اُسے ٹوکا۔

''کیوں آپ کیا سوچنے لگے۔''

''کچھ نہیں داؤد ہی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ آپ صرف نظریں ہی پہچانتے ہیں یا آپ کی نظروں سے آج سے کوئی قابل اعتراض بات بھی گذری ہے۔''

''بس حد ہوگئی۔ اب میں اور زیادہ ذلیل نہیں ہونا چاہتا۔'' پروفیسر دروازے کیطرف بڑھا۔

''ٹھہرو پروفیسر......!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''کیا ہے۔'' پروفیسر اس کی طرف مڑے بغیر بولا۔

''مجھے اُس ڈاکٹر کا نام اور پتہ چاہئے جس نے داؤد کو دیکھا تھا۔''

''ڈاکٹر زیدی...... پارک اسٹریٹ...... وہ بھی کوئی اچھا آدمی نہیں ہے۔'' پروفیسر نے

حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ ''صورت ہی سے اوباش معلوم ہوتا ہے۔''

''اچھا میں اسے چیک کروں گا۔'' حمید نے کہا۔

اور پھر وہ وہاں سے چلا آیا۔ وہ پروفیسر کے شبہے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ خود اس نے بھی داؤد کو دیکھا تھا اور اس کے متعلق کوئی اچھی رائے نہیں قائم کی تھی۔

اُس کی موٹر سائیکل پارک اسٹریٹ میں داخل ہوئی اور پھر ڈاکٹر زیدی کے مطب کے سامنے رک گئی۔ اندر ڈاکٹر کی میز پر جو شخص نظر آیا اُسے حمید شہر کی اچھی تفریح گاہوں میں بار بار دیکھ چکا تھا اور وہ اُسے پسند نہیں کرتا تھا۔ اُس کا نام اُسے آج ہی معلوم ہوا۔ پہلے وہ سمجھا کرتا تھا کہ وہ شہر کا کوئی اوباش رئیس ہے۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے کس طرح چیک کرے کہ اچانک اس کی نظر دوسری طرف کے ایک ریستوران کی کھڑکی کی جانب اٹھ گئی اور اُس نے وہاں جو کچھ بھی دیکھا اس کیلئے کافی سنسنی خیز تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فریدی کی آنکھوں میں بھی حیرت ہی دیکھی۔ اُس نے موٹر سائیکل فٹ پاتھ سے لگا کر کھڑی کر دی اور ریستوران میں گھستا چلا گیا۔ فریدی میز پر تنہا ہی تھا۔

''کیوں......؟'' فریدی نے سوال کیا۔ حمید بیٹھ چکا تھا۔

''آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں۔ کیا میں کوئی لڑکی ہوں۔'' حمید نے مسکرا کر کہا۔

''اُس سے بھی بدتر۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

''میں ڈاکٹر زیدی کو ایک معاملے میں چیک کرنا چاہتا ہوں۔'' حمید نے کہا۔

''کس معاملے میں۔'' فریدی آگے جھک آیا۔

''اُس نے داؤد کے ٹوٹے ہوئے پیر پر پلاسٹر چڑھایا تھا۔''

''پھر......!''

''مجھے شبہ ہے کہ داؤد کا پیر سرے سے ٹوٹا ہی نہیں تھا۔''

''آخر کس بناء پر۔''

''خود پروفیسر نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے۔''

''خوب......اس کی کہانی کیا ہے۔''

پروفیسر نے جو کچھ بھی کہا تھا حمید نے دہرادیا۔فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔''یہ چیز بھی دلچسپ ہے۔''

''آپ یہاں کیوں نظر آرہے ہیں۔''

''تمہارا منتظر تھا۔'' فریدی مسکرایا۔''مجھے فرشتوں سے اطلاع ملی تھی کہ تم اس وقت ادھر ہی آؤ گے۔''

''سراغ رسانی سے عشق حقیقی تک۔'' حمید بڑبڑایا۔''عشق مجازی اپنے حصے میں آیا ہے۔ خیر میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا کہ آپ یہاں اپنی موجودگی کی وجہ بتایئے۔''

''لو بھئی میں جارہا ہوں لیکن زیدی سے کسی قسم کی گفت وشنید مت کرنا۔اس پر صرف نظر رکھو۔ سائے کی طرح اس کا تعاقب کرو۔ اس کے خلاف نہ ہو۔'' فریدی نے کہا اور اٹھ کر ریستوران سے نکل گیا۔حمید بیٹھا پلکیں جھپکاتا رہ گیا۔

اُسے وہاں تقریباً ڈھائی بجے تک بیٹھنا پڑا......اور جب ڈاکٹر زیدی اپنی کار میں بیٹھ چکا تو وہ بھی ریستوران سے نکلا۔

کچھ دیر بعد وہ اسکی کار کا تعاقب کررہا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچ رہا تھا کہ بُرے پھنسے۔ اُسے صرف تعاقب کرتے رہنے سے اختلاج ہونے لگتا تھا اور اس وقت تو اختلاج کے علاوہ فریدی کے رویہ سے پیدا ہوجانے والی الجھن بھی تھی۔ آخر وہ ڈاکٹر زیدی تک کیسے پہنچا جب کہ اس نے نہ تو داؤد کو دیکھا تھا اور نہ پروفیسر ہی سے ملا تھا۔اسکی دانست میں وہ دونوں صرف ایک ہی بار ملے تھے۔اسی دن جب پروفیسر اس پر سلیمہ کے اغواء کا شبہ ظاہر کرنے کیلئے آیا تھا۔

کار شہر کی مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی اور حمید جھک مارتا رہا۔اُسے توقع تھی کہ ڈاکٹر زیدی مطب سے اٹھ کر اپنی قیام گاہ پر جائے گا اور اسے اس تعاقب سے جلد ہی نجات مل جائے گی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔وہ اس کے بجائے ہائی سرکل نائٹ کلب میں جا گھسا۔

ڈائننگ ہال میں برائے نام آدمی تھے۔ڈاکٹر زیدی نے لنچ طلب کیا۔

اب تو حمید کو بیٹھنا ہی تھا لہٰذا اسے بھی لنچ ہی طلب کرنا پڑا۔ بلکہ وہ تو سوچ رہا تھا کہ کہیں رات کا کھانا بھی یہیں نہ کھانا پڑے۔

ہال کا ماحول اس وقت انتہائی درجہ خشک تھا کیونکہ کہیں بھی کوئی ایسا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا جسے دیکھ کر حمید دن بھر کی ذہنی تھکن دور کر سکتا۔

وہ خاموشی سے نوالے حلق سے اتارتا رہا۔ ڈاکٹر زیدی بھی کچھ تھکا تھکا سا نظر آ رہا تھا۔ ایک آدھ بار اس نے حمید کی طرف دیکھا بھی، مگر بالکل اسی انداز میں جیسے ہال کے دوسرے لوگ ایک دوسرے کو بے تعلقی سے دیکھ لیتے تھے۔

لنچ ختم کر چکنے کے بعد ڈاکٹر زیدی لاؤنج میں چلا گیا۔ لیکن حمید نے اٹھنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ چونکہ اسے دیکھ چکا تھا اس لئے احتیاط لازمی تھی۔ اگر اس اغواء میں حقیقتاً اسی کا ہاتھ تھا تو حمید کو سر پر مسلط دیکھ کر اسے شبہ بھی ہو سکتا تھا۔

وہ اٹھ کر منیجر کے کمرے میں آیا لیکن وہ بھی موجود نہیں تھا۔ اس کمرے کی دوسری سائیڈ میں ایک دوسرا کمرہ تھا جہاں منیجر آرام کیا کرتا تھا۔ حمید نے اس کا پردہ سرکایا لیکن وہ بھی خالی تھا۔ خالی مسہری دیکھ کر حمید انگڑائیاں لینے لگا۔ وہ بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ جوتوں سمیت بھی اس مسہری پر سوتا ہوا پایا گیا تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

وہ اطمینان سے جا لیٹا۔ سونے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ تو صرف تھکن دور کرنا چاہتا تھا اور یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اگر منیجر آ گیا تو کچھ دیر اسے بھی بور کرے گا۔

دفعتاً اُسے منیجر کے آفس میں قدموں کی چاپ سنائی دی لیکن وہ چپ چاپ لیٹا رہا۔ پھر ایسی آواز آئی جیسے فون پر نمبر ڈائیل کئے جا رہے ہوں۔

پھر کوئی آہستہ آہستہ کہنے لگا۔ ''ہیلو...... کون...... اچھا...... ہاں دیکھو...... ابھی کیپٹن حمید یہاں دکھائی دیا تھا...... میں ہائی سرکل سے بول رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ میرا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا یا پہلے ہی سے موجود تھا۔ خیر دیکھو یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے...... میں یہاں سے جا رہا ہوں۔''

پھر ریسیور رکھنے کی آواز آئی اور فون کرنے والے کی واپسی سے حمید لاعلم نہیں رہا۔ وہ جا چکا تھا۔

حمید نے ایک طویل سانس لی۔ اس نے ڈاکٹر زیدی کی آواز صاف پہچانی تھی۔ رہے سہے شبہات بھی یقین میں تبدیل ہو گئے۔ وہ چپ چاپ لیٹا رہا۔ ڈاکٹر زیدی ہوشیار ہو گیا تھا لہٰذا اب اس اسٹیج پر اس سے دور ہی رہنا بہتر تھا۔

کچھ دیر بعد منیجر نے دروازے کا پردہ ہٹایا اور حمید کو وہاں دیکھ کر متحیر رہ گیا گو کہ حمید اس سے انتہائی درجہ بے تکلف تھا لیکن اس طرح اس کے کمرے میں آنے کا پہلا اتفاق تھا۔

''اس وقت مجھے کامل رشید کا ایک شعر یاد آرہا ہے۔'' حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ ''آؤ...... آؤ...... مری جان...... وہ شعر ہے کہ طبیعت پھڑک اٹھے گی۔''

مجھ کو سکتہ سا اُن کو حیرت سی
آئینہ بن گئی ہے یکجائی

منیجر سر پیٹنے لگا۔ ''واہ...... کیا شعر ہے...... ہے ہے...... آئینہ بن گئی ہے یکجائی۔ حمید صاحب خدا آپ کا بھلا کرے...... ساری کوفت دور ہو گئی...... لیٹے رہئے...... لیٹے رہئے۔''

''کس کوفت میں مبتلا تھے۔''

''کیا عرض کروں جناب۔ شریف آدمیوں کو زندہ ہی نہ رہنا چاہئے۔''

''کیا ہوا مجھے بتاؤ۔ کسی لڑکی نے پریشان کیا ہے!''

''لڑکی......!'' منیجر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''نہیں جناب! میں کلب کے بعض مستقل ممبروں سے تنگ آ گیا ہوں۔''

''ان میں یہ خاکسار تو نہیں ہے۔''

''نہیں جناب۔ آپ پر تو پیار بھی آتا ہے۔'' منیجر مسکرایا۔ ''لیکن اُن لوگوں پر صرف غصہ آتا ہے۔''

''آخر بات کیا ہے۔ کیا انہوں نے تمہاری محبوباؤں کو چھیڑنا شروع کر دیا ہے۔''

''نہیں بلکہ وہ کلب کا ریپوٹیشن برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب مثال کے طور پر

ڈاکٹر زیدی ہی کو لے لیجئے۔''

''اوہ......!'' حمید سنبھل کر بیٹھ گیا لیکن منیجر نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ وہ دیوار سے لگے ہوئے ایک تصویری فریم کی جانب دیکھ رہا تھا۔ اُس نے سر ہلا کر کہا۔ ''وہ حضرت ایسے آدمیوں کو اپنے ساتھ لاتے ہیں جن کی صحبت کوئی شریف آدمی پسند نہیں کرسکتا۔''

''وہ کیسے آدمی ہوتے ہیں۔''

''چھٹے ہوئے بدمعاش لفنگے......جنہیں آپ منہ لگانا بھی پسند نہیں کرسکتے۔''

''کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔''

''کیوں نہیں......ان میں سے ایک سمگلر ہے کئی بار بحری پولیس کی گولیوں سے زخمی ہو چکا ہے۔ مگر چونکہ بڑے آدمیوں کی سرپرستی اُسے حاصل ہے۔ اسلئے ہمیشہ آزاد ہوجاتا ہے۔''

''کون ہے......نام بتاؤ۔''

''پہلے لوگ اُسے راجو راجو پکارتے تھے مگر اب چند برسوں سے الفریڈ راج کہلانے لگا ہے۔''

''اوہ......اچھا......وہ جو برٹرام روڈ پر رہتا ہے۔''

''جی ہاں......وہی......وہی......!''

''تمہیں حق حاصل ہے کہ تم ڈاکٹر زیدی کو کلب کی رکنیت سے خارج کردو۔''

''مگر ٹھکانہ کہاں ہوگا میرا۔ میں غنڈوں سے بہت ڈرتا ہوں......غنڈوں سے نہیں بلکہ بےعزتی سے۔''

''کس کی مجال ہے کہ تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔'' حمید بولا۔

''آپ کی ذات سے یہی توقع ہے آپ سے زیادہ میرا کون ہمدرد ہوگا۔''

''مگر ٹھہرو...... چند دن اور ٹھہر جاؤ۔ اپنی زبان بالکل بند رکھو۔ میں ایک ضروری کام سے فرصت پا کر اُن لوگوں سے نپٹ لوں گا جب تک میں مشغول ہوں طرح دیتے رہو۔''

''بہت بہتر جناب......آپ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔ مجھے یقین ہے اگر انہیں معلوم ہوجائے کہ مجھے کن بڑے آدمیوں کی حمایت حاصل ہے تو وہ ادھر کا رخ ہی نہیں کریں گے۔''

''کیا ڈاکٹر زیدی اس وقت بھی موجود ہے۔''

''کچھ دیر پہلے تھا۔ اب نہیں ہے۔'' منیجر نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

''اکثر اُس کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوتی ہوں گی۔''

''ہوتی ہیں۔ وہ بھی اس معاملے میں آپ ہی کی طرح خوش قسمت ہے کپتان صاحب۔ ایک بار میں نے اس کے ساتھ ایک اتنی حسین عورت دیکھی تھی کہ اُف شاید میں اُسے مرتے دم تک نہ بھلا سکوں۔ اس کے اوپری ہونٹ کے گوشے پر وہ تل قیامت تھا...... بقول شاعر.....!''

حمید کو اچھی طرح یاد نہیں کہ منیجر نے کون سا شعر پڑھا تھا کیونکہ اس نے اس حسین عورت کا جو حلیہ بتایا تھا وہ بیگم شوخ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہوسکتا تھا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں وہ شعر کی طرف کیا دھیان دیتا۔

سرخ رومال

حمید نے فون پر فریدی کو ان حالات کی اطلاع دینی چاہی لیکن وہ گھر پر نہیں ملا۔ بڑی مشکلوں سے اس کا سراغ مل سکا۔ وہ اس وقت برٹرام روڈ کی پولیس چوکی پر موجود تھا۔

سارے حالات سننے کے بعد بولا۔ شکریہ حمید۔ تم نے بڑا کام کیا۔ یہ راجو نیا آدمی لسٹ پر آرہا ہے۔ تم آج کل بہت شاندار جارہے ہو۔ عورتوں کے لئے تم نے ہمیشہ شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اچھا اب تم گھر واپس جاؤ۔ شام تک وہیں ملاقات ہوگی۔

مگر شام تک فریدی گھر نہیں آیا۔ حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ باہر جائے یا فریدی کا انتظار ہی کرتا رہے۔ اس نے اسی انداز میں اُسے گھر جانیکی ہدایات کی تھی جیسے اپنی آمد پر اُسکی موجودگی ضرور سمجھتا ہو۔ حمید بیٹھا جھک مارتا رہا۔ اسی دوران میں قاسم کی کال آئی۔

''کیا بات ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''بات نہیں بات کا باپ ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''تم سالے اس کے بھائی بنے ہو۔ وہ مجھ پر غراتی ہے۔''

''چپلیں لگائے گی تمہارے...... ابھی کیا ہے۔''

''ٹانگیں چیر کر پھینک دوں گا۔''

''اور میں تمہیں جیل میں سڑا دوں گا۔''

''ابے جاجا...... ڈیل میں ٹھسڑا دیں گے۔'' غالباً دوسری طرف سے قاسم اُسے منہ چڑھا رہا تھا۔

''تم چاہتے کیا ہو۔''

''تمہاری موت!''

''یہ ناممکن ہے۔ میں تم سے پہلے نہیں مروں گا ورنہ تمہاری لاش کون گھسیٹے گا۔''

''گھسیٹ کر دیکھو...... کیا تماشا دکھاتا ہوں۔''

''تم آج رات کو مر جاؤ گے۔''

''ابے ہٹ......!'' قاسم نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

''یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مسز شوخ کی پیشین گوئی ہے۔''

''ارے باپ رے...... نہیں الاقسم......!''

''جب دم نکلنے لگے تو مجھے فون کرا دینا۔ کیا تمہیں اپنے سر کا پچھلا حصہ کچھ بھاری بھاری سا لگ رہا ہے۔''

دوسری طرف خاموشی رہی پھر یک بیک قاسم کی آواز آئی۔ ''غاں...... بھاری لغ رہا ہے۔''

''خدا تم پر رحم کرے۔'' حمید نے دردناک آواز میں کہا۔

''قیوں...... قیوں......!''

''اس نے یہی علامت بتائی تھی۔''

''ابے حمید...... سالے......!'' قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ ''اگر میں مر گیا تو تمہیں گولی

ماردوں گا۔"

"مجھے اس پر بھی خوشی ہوگی کیونکہ تمہارے مرنے سے میری بہن بیوہ ہوجائے گی اور پھر کسی اچھے آدمی سے اس کی شادی بھی ہوسکے گی۔"

"چپ رہو۔" قاسم کی دہاڑ نے آخر کار فون کی لائن خراب کردی۔

مگر غنیمت یہی تھا کہ فریدی کی کوٹھی میں تین فون تھے اور ہر ایک کی لائن الگ تھی۔ نمبر بھی مختلف تھے۔ تھوڑی دیر بعد لیبارٹری والے فون کی گھنٹی کی آواز آئی اور حمید دوڑتا ہوا اوپر آیا۔ کال فریدی کی تھی۔

"کیا ہے...... خواب گاہ والے فون کی لائن خراب ہے کیا۔" اُس نے پوچھا۔

"شاید لائن ہی خراب ہے۔"

"ایک ملاح کے میک اپ میں تمہیں سونا گھاٹ پہنچنا ہے۔"

"لیکن پھر آپ میری ملاحیوں پر اعتراض نہ کیجئے گا۔"

"سنجیدگی اختیار کرو۔" فریدی نے درشت لہجے میں کہا۔

"کرلی...... لیکن مقصد کیا ہے۔"

"مقصد وہیں بتاؤں گا۔"

"مگر سونا گھاٹ پر کس جگہ۔"

"جہاں ماہی گیروں کی کشتیاں رہتی ہیں۔"

"اچھی بات ہے...... میں سمجھ گیا۔"

"کیا سمجھ گئے!"

"الفریڈ راج یا راجو کا چکر ہے۔"

"ہوسکتا ہے...... ایسا ہی ہو۔ تمہیں ٹھیک آٹھ بجے وہاں پہنچ جانا چاہئے۔ تمہارے سر پر سرخ رنگ کا رومال ہوگا۔"

"پہنچ جاؤں گا۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ مسز شوخ کا اغوا اسکی سمجھ سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔
اس وقت چھ بجے تھے۔ اس نے میک اپ کیا اور اندھیرا گہرا ہونے کا انتظار کرنے لگا۔
اُس نے ایک ریوالور اور ساٹھ راؤنڈ اپنے ساتھ رکھنے کا بھی انتظام کرلیا تھا۔
سونا گھاٹ پر زیادہ تر ماہی گیر آباد تھے۔ یہاں کچھ بڑی عمارتیں بھی تھیں جن میں کچھ ماہی گیر کمپنیوں کے دفاتر اور کولڈ اسٹوریج تھے۔ دو ایک گھٹیا قسم کے ہوٹل اور بار بھی تھے۔ شہر کے اکثر سرمایہ داروں نے اپنے لئے سمر ہاؤز بھی بنوار کھے تھے۔
حمید ٹھیک اُسی حصے میں رک گیا جہاں کچھ دور پانی میں بیشمار بادبانی کشتیاں تیر رہی تھیں۔
کچھ دیر بعد ایک آدمی اس کے قریب سے کہتا ہوا گزر گیا۔ ''ڈریک بار پلیز......!''
وہ فریدی ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر فریدی ہوتا تو چال اور آواز بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔
اس نے کشتیوں کے مستولوں سے لٹکنے والی لال ٹینوں کی دھندلی روشنی میں اُس کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی۔ وہ کچھ دیر تک نظر آتا رہا پھر چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی اُسے نگل گئی۔
حمید بھی بستی کی طرف چل پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈریک بار کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔ وہاں گھٹیا قسم کے نشہ باز جہاز راں ہوا کرتے تھے اور صرف نام کی بار تھی، ورنہ حقیقتاً وہاں شراب کی بجائے کشیدنی قسم کے نشوں کا غیر قانونی بیوپار ہوتا تھا۔
چرس اور افیون کے شائق غیر ملکی جہاز رانوں کے لئے یہ بہترین جگہ تھی۔ بیئر کے جگ سامنے رکھ کر وہ چرس اور کشیدنی افیون کے سگریٹ پیا کرتے تھے۔ اس طرح پولیس کی مداخلت کا خدشہ بھی باقی نہیں رہتا تھا۔
حمید بار میں داخل ہوکر ایک خالی میز پر جم گیا۔ پھر ایک منٹ بھی نہیں گذرا تھا کہ ایک آدمی اسکے سامنے والی کرسی پر بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ''اب رومال کھول کر جیب میں رکھ لو۔''
حمید بیساختہ چونک پڑا لیکن اس نے خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس آدمی نے گھاٹ کے قریب اُسے ڈریک بار میں پہنچنے کا مشورہ دیا تھا اور یہ تھا کون؟ الفریڈ راج یا راجو......وہی جس کا نام سنتے ہی فریدی نے بڑے پرجوش انداز میں اسے شاباش دی تھی۔

حمید کا ذہن بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔

''تمہارا نام کیا ہے دوست۔'' راجو نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

''تمہیں میرے نام سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''گڈ......!'' راجو نے اسے پسندیدگی سے دیکھتے ہوئے سر ہلایا پھر کچھ دیر ٹھہر کر بولا۔ ''تمہیں کس نے بھیجا ہے۔''

''میں یہاں فضول بکواس سننے کے لئے نہیں آیا۔'' حمید نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تو تم سے نہیں پوچھا کہ تم کون ہو یا تمہارا نام کیا ہے۔''

''ویری گڈ......!'' راجو مسکرا کر بولا۔ ''کچھ پیو گے۔''

''نہیں......!'' حمید غرایا۔ ''میں صرف اسی صورت میں پیتا ہوں جب گھر پر پڑے رہنا ہو۔''

''بہت عمدہ۔ میں ایسا ہی آدمی چاہتا ہوں۔'' راجو بولا۔ ''تھوڑی دیر اور ٹھہرو پھر ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اُن میں تیسرے آدمی کا اضافہ ہو گیا۔ یہ بھی راجو ہی کی طرح جہاز رانوں کے سے لباس میں تھا لیکن اس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی تھی۔ اُسکے آتے ہی راجو اٹھ گیا۔ حمید بھی اٹھا اور یہ لوگ گھاٹ کی طرف چل پڑے۔ نیا آنے والا ابھی تک ایک بار بھی نہیں بولا تھا۔ حمید کو کچھ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اُسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہو۔ وہ بھی خاموشی سے چلتا رہا۔ گھاٹ پر پہنچ کر وہ ایک کشتی میں بیٹھ گئے۔ ہوا اس وقت زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس لئے بادبان کھول دیا گیا اور راجو نے چپو سنبھال لئے۔ سمندر کی سطح پرسکون تھی۔

''اب کیا دیر ہے۔'' نئے آنے والے نے پوچھا اور حمید یک بیک چونک پڑا۔ اگر اندھیرا نہ ہوتا تو وہ دونوں ہی اس کے چہرے پر استعجاب کے آثار دیکھ لیتے کیونکہ یہ آواز پروفیسر شوخ کے بھتیجے داؤد کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی تھی۔ داؤد جسے آج ہی حمید نے اپاہج آدمیوں کی پہیوں دار کرسی پر دیکھا تھا۔

یہ کیا قصہ تھا؟ حمید کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس ایک عورت کے اغوا کے لئے اتنی درد سری۔ پورا ایک گروہ جس کے لئے سرگرم عمل تھا اور پھر اب وہ لوگ کیا چاہتے تھے۔

داؤد نے کتنا خطرہ مول لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت وہ پروفیسر کو دھوکے میں رکھ کر ہی گھر سے باہر ہوگا۔

حمید سوچنے لگا کہ پروفیسر بھی نرا گاؤدی نہیں ہے۔ داؤد کے متعلق اس نے پہلے ہی اپنا شبہ ظاہر کر دیا تھا۔ لہٰذا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس وقت دھوکا ہی کھا گیا ہوگا۔ پھر؟ کیا وہ داؤد سے ڈرتا ہے۔

کشتی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ رات کے سرمئی غبار میں راجو کی متحرک پرچھائیں صاف نظر آ رہی تھیں جو کشتی کھے رہا تھا۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' داؤد نے پھر کہا۔

''دیکھئے...... یہ ایسا آسان کام تو ہے نہیں۔'' حمید نے راجو کی آواز سنی۔ ''بہرحال ہم انتہائی جدوجہد کر رہے ہیں۔''

''اس اسکیم کا کیا رہا۔''

''اس اسکیم کے لئے یہ صاحب آئے ہیں۔'' غالباً حمید کی طرف اشارہ تھا۔

یہ کون ہیں۔''

''میں خود بھی نہیں جانتا لیکن کام کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔''

''کیا بات ہوئی۔'' داؤد غرایا۔

''زیدی صاحب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا تھا جو آدمی وہ بھیجیں گے ہر لحاظ سے کارآمد ہوگا۔''

اب معاملہ حمید کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ سوچنے لگا شاید ان کی کسی اسکیم کا علم فریدی کو ہو گیا ہے۔ اسی لئے اس نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ یہ کتنا خطرناک تھا۔ اگر حمید سے نادانستگی میں ذرا سی بھی لغزش ہو جاتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔ اُسے چاہئے تھا کہ صورتحال سے پہلے ہی آگاہ کر دیتا۔

اب حمید اس فکر میں پڑ گیا کہ کھیل کسی طرح بگڑنے نہ پائے۔ اُسے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔

''زیدی سے تم نے وضاحت نہیں طلب کی۔'' داؤد نے پوچھا۔

''نہیں......انہوں نے مزید کچھ بتانے سے انکار کر دیا تھا۔''

''میں اسے درست نہیں سمجھتا۔'' داؤد نے کہا۔ پھر حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

''کیوں جناب کیا آپ اپنے متعلق کچھ نہیں بتائیں گے۔''

''نہیں!'' حمید کا لہجہ درشت تھا۔

''پھر کیسے کام چلے گا۔''

''میں کام کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یہ سوچنے کے لئے نہیں آیا کہ کام کیسے چلے گا۔''

''تم کیسے آدمی ہو۔'' داؤد نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''اگر زیدی صاحب کا معاملہ نہ ہوتا تو اس لہجے کا مزہ چکھا دیتا۔'' حمید غرایا۔

''آپ بات نہ بڑھایئے جناب۔'' راجو نے داؤد سے کہا۔ ''ہر آدمی کا طریقہ الگ ہوتا ہے۔ مجھے یہ طریقہ بے حد پسند ہے۔ آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ ہمیں صرف کام سے غرض ہونی چاہئے۔''

داؤد خاموش ہو گیا اور حمید بھی کچھ نہیں بولا۔ کشتی سمندر کا پرسکون سینہ چیرتی رہی، چپوؤں کی ''شپاشپ'' سے فضا مرتعش ہو رہی تھی۔

راجو کے بازو ابھی تک شل نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک مشاق قسم کا کشتی بان معلوم ہوتا تھا۔ کچھ دیر بعد کشتی فن آئی لینڈ کے ایک ویران ساحل سے جا لگی۔ راجو نے پتوار رکھ دیئے اور خشکی پر کود گیا۔ پھر وہ دونوں بھی اترے۔

اب جزیرے کے جس حصے میں وہ چل رہے تھے بالکل ویران اور تاریک تھا۔ حمید کا ذہن مختلف قسم کے خیالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔

دفعتاً وہ چلتے چلتے رک گیا۔ داؤد بھی رکا۔

''تو تم اپنے متعلق نہیں بتاؤ گے۔'' راجو نے غصیلی آواز میں کہا۔

''نہیں......!'' حمید کا لہجہ پرسکون اور سرد تھا۔

''اگر ہم تمہیں یہاں مار ڈالیں تو......!'' راجو کا لہجہ اب بھی درشت تھا۔

''کوشش کر کے دیکھو۔''

راجو حمید کی طرف بڑھا لیکن حمید نے بڑی پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کے چپراس ماری اور وہ داہنے بازو کے بل زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اُس کے حلق سے کراہ نکلی۔

''میرے ہاتھ میں بغیر آواز کا ریوالور ہے۔ تم لوگ اپنی جگہوں سے ہلنا بھی مت۔'' حمید نے گرجدار آواز میں کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' راجو نے زمین پر پڑے ہوئے کہا۔

''شاید میرا ساتھ غلط آدمیوں سے پڑ گیا ہے۔'' حمید نے اپنے لہجے میں سفا کی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر میں اس کی پروا کم کرتا ہوں۔ بتاؤ تم لوگ کون ہو۔ ورنہ صبح یہاں دو لاشیں ملیں گی۔''

''ہم تمہارا امتحان کر رہے تھے دوست۔'' راجو نے آہستہ سے کہا۔ ''ریوالور جیب میں رکھ لو۔''

''بکواس ہے۔'' حمید غرایا۔ ''تم اب مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔''

''پھر تمہاری دانست میں ہم کون ہیں۔'' راجو نے پوچھا۔

''پولیس......!''

اس پر نہ صرف راجو نے بلکہ داؤد نے بھی قہقہہ لگایا۔

''بس بس...... بالکل ٹھیک ہے۔ تم ایسے ہی آدمی معلوم ہوتے ہو کہ ہر قسم کا کام انجام دے سکو گے۔'' راجو نے کہا اور اٹھ بیٹھا۔ پھر بولا۔ ''یہ ریوالور رکھ لو دوست...... میں تم سے بالکل مطمئن ہوں۔''

''لیکن مجھ سے معاوضے کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا۔'' حمید بڑبڑایا۔

''پہلے تم کام سن لو......اس کے بعد جو معاوضہ بھی مانگو گے دیا جائے گا۔''

''اٹھو......!'' حمید ریوالور جیب میں رکھتا ہوا غرایا۔

راجو زمین سے اٹھ گیا۔

''کام کیا ہے۔'' حمید نے درشت لہجے میں پوچھا۔ ''میرے پاس زیادہ وقت نہیں رہتا۔''

''چلو کچھ دور اور چلنا پڑے گا۔ پھر ہم بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو کریں گے۔'' راجو نے کہا۔

''کیا پھر کوئی امتحان۔''

''نہیں دوست!'' راجو اس کا شانہ تھپتھپا کر بولا۔ ''اتنا کافی ہے۔ ہم تم پر ہر طرح اعتماد کر سکتے ہیں۔''

حمید پھر اُن کے ساتھ چلنے لگا۔ ان دونوں کو سبق دینے کے بعد اس کی ذہنی اور جسمانی توانائی بڑھ گئی تھی اور وہ اتنی لاپروائی سے ان کے ساتھ چل رہا تھا جیسے کچھ دیر قبل ان سے چند رسمی باتیں ہوئی ہوں۔ آبادی میں پہنچ کر راجو نے ایک چھوٹے سے مکان کا قفل کھولا اور وہ اندر داخل ہوئے۔

جس کمرے میں راجو نے ٹھہرنے کے لئے کہا وہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ درمیان میں ایک بڑی میز تھی جس کے گرد کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

جب وہ بیٹھ گئے تو راجو نے کہا۔ ''یہ ایک آدمی کے اغواء کا مسئلہ ہے۔''

''اسے مسئلہ مت بناؤ۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''اغواء بھی کوئی مسئلہ ہے۔''

''ہاں! ہمارا یہ کام اب ایک دقت طلب مسئلہ ہی بن گیا ہے۔'' راجو بولا۔

''تفصیل......!'' حمید نے فرش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ آدمی آج کل پولیس کی حفاظت میں ہے۔''

''یعنی جیل یا حوالات میں۔'' حمید نے فرش سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

''نہیں اپنے گھر پر ہے لیکن اس کے گھر کے گرد پولیس کا پہرہ ہے۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ راجو کہتا رہا۔ ''یہ سادہ لباس والے ہیں اس لئے ان کو پہچاننا دشوار ہوگا۔ کیوں کیا تم یہ کام کر سکو گے۔''

''واقعی مسئلہ ہے۔'' حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر سر اٹھا کر بولا۔ ''نام اور پتہ بتاؤ۔ ممکن ہے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''تم ہمت ہار رہے ہو شاید۔'' راجو مسکرایا۔

''میری توہین نہ کرو۔'' حمید غرایا۔ ''مجھے نام اور پتہ بتاؤ۔ تم لوگ مجھ سے واقف نہیں ہو ورنہ اس توہین کا......!''

''سنو تو......تم بہت جلد غصے میں آجاتے ہو۔'' راجو نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''نام پتہ اور تصویر اس لفافے میں ہے۔ کیا تم پڑھ سکتے ہو۔''

اس نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور حمید نے کہا۔ ''تحریر کس زبان میں ہے۔''

''اردو میں۔''

''پڑھ لوں گا......کیا اسے کھول ڈالوں۔''

''ظاہر ہے کہ یہ اسی لئے دیا گیا ہے۔''

حمید نے لفافہ کھول ڈالا۔ یہ ایک معمر آدمی کی تصویر تھی۔ نام کے ایل بھٹی تھا اور پتہ ۵۳/۱ کنکس لین۔ حمید نے سوچا یقیناً کوئی بڑا آدمی ہوگا کیونکہ کنکس لین میں معمولی حیثیت کے لوگ نہیں رہتے تھے۔

حمید نے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔ وہ دونوں اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حمید نے میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے جھکتے ہوئے کہا۔ ''معاوضہ کتنا ہوگا۔''

''اگر تم کل رات کو اسی وقت اُسے یہاں لے آؤ تو دس ہزار لیکن اگر تم اپنے پیچھے سرکاری سراغ رسانوں کو لگا لائے تو انجام کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔''

''اور اسکی کیا گارنٹی ہے کہ کام بخوبی انجام پا جانے کے بعد مجھے دس ہزار مل ہی جائیں گے۔''

''تم کوئی فرشتے تو ہو نہیں کہ صبر کر لو گے۔'' راجو مسکرایا۔

''صبر بھی کر لوں گا مگر اس صورت میں آس پاس کی زمین سرخ نظر آئے گی۔'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔

''کچھ کر کے دکھاؤ ......تم باتیں بہت لمبی چوڑی کر لیتے ہو۔'' دفعتاً داؤد نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''کیا دیکھنا چاہتے ہو۔'' حمید ایک زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''کیا تمہاری ڈاڑھی پر ہاتھ پھیر کر دکھاؤں۔ مگر شاید تم اسے پسند نہ کرو۔''

''میں بدتمیزوں کی زبان کھینچ لیا کرتا ہوں۔'' داؤد غرایا اور حمید اپنی زبان نکال کر بیٹھ گیا۔ داؤد اُسے غصیلی نظروں سے دیکھتا رہا۔

حمید زبان اندر کر کے بولا۔ ''میں ہر وقت ہر ایک کا چیلنج قبول کرنے کو تیار رہتا ہوں۔''

''یار تمہیں مذاق بھی گراں گزرتا ہے۔'' راجو نے ہنس کر کہا۔

''نہیں تو......میں بھی مذاق ہی کے موڈ میں ہوں۔'' حمید نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا۔

داؤد خاموش بیٹھا رہا لیکن اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے موقع ملتے ہی وہ حمید کو کچا چبا جائے گا۔

''کیا تم میں سے کوئی وہاں موجود ہو گا۔'' حمید نے پوچھا۔

''ہم میں سے کسی کی موجودگی وہاں ضروری نہیں ہے۔'' راجو بولا۔

''اچھی بات ہے تو اب میں چلوں۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔'' راجو نے ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔ ''لیکن کیا تمہیں یقین ہے کہ تم یہ کام بہ آسانی کر لو گے۔''

''تمہیں سادہ لباس والوں کی وجہ سے تشویش ہے۔'' حمید نے مسکرا کر پوچھا۔

''یقیناً......اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اگر وہ تمہارا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے تو کھیل ختم ہو جائے گا۔''

''اس کے لئے بہترین تدبیر یہ ہے کہ کسی ایسی عمارت کا انتخاب کرو جس کے متعلق کوئی بتا نہ سکے کہ وہ کس کے قبضے میں ہے، میں اُسے وہیں لاؤں۔ تم لوگ قطعی الگ رہو۔ جب تمہیں اچھی طرح اطمینان ہو جائے کہ کوئی خطرہ نہیں ہے تب اُس عمارت میں قدم رکھو۔''

''تجویز معقول ہے۔'' راجو نے داؤد کی طرف دیکھ کر کہا۔

داؤد نے صرف سر ہلا دیا۔

پھر کچھ دیر بعد راجو نے کہا۔ ''یہی عمارت مناسب رہے گی۔''

''تم جانو......!'' حمید نے لاپروائی سے کہا۔ ''مجھے جتنا بھی کرنا ہے کر ڈالوں گا۔''

حمید اٹھنے لگا اور راجو نے کہا۔ ''یہ بڑی عجیب بات ہے کہ تم کچھ پیتے نہیں ہو۔''

''جو کچھ میں پیتا ہوں تم پلا نہیں سکو گے۔''

''کیا پیتے ہو۔''

''خون......!'' حمید اپنی آنکھوں میں سفاکانہ چمک سی پیدا کر کے بولا۔

''یار......تم بڑے تیس مار خاں معلوم ہوتے ہو۔'' راجو مسکرایا۔ ''مجھے حیرت ہے کہ ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود بھی ہم پہلی بار ملے ہیں۔''

''تمہیں حیرت نہ ہونی چاہئے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو فخریہ اور اعلانیہ طور پر اپنے لفنگے پن سے لوگوں کو مرعوب کرنے کے شائق ہوتے ہیں۔''

''گہرے معلوم ہوتے ہو۔''

''اچھا! اب میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' حمید نے کہا اور اُن کے جواب کا انتظار کئے بغیر مکان سے نکل آیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ساحل کی طرف جا رہا تھا۔ ساتھ ہی اُسے اس کی فکر بھی تھی کہ کہیں کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔

ساحل پر بھیڑ زیادہ تھی۔ لوگ لانچوں کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ آج نہ جانے کیوں لانچیں بھی کم تھیں۔ دفعتاً حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اُس کے جیب میں ہاتھ ڈال دیا ہو۔ اس نے مڑ کر دیکھا مگر پیچھے ایک بھی ایسا آدمی نہیں نظر آیا جس پر وہ شبہ کر سکتا۔ البتہ اس کا ہاتھ اسی جیب میں رینگ گیا اور انگلیاں ایک مڑے تڑے کاغذ سے ٹکرائیں وہ اُسے ٹٹولتا رہا لیکن جیب سے باہر نہیں نکالا۔

اُس کا اضطراب بڑھتا رہا اور آخر کار اُس نے فیصلہ کیا کہ اسے قریبی ریستوران میں

جا کر اس کاغذ کو دیکھنا چاہئے۔

ساحل پر ہی کئی ریستوران تھے۔ حمید نے ایک کی راہ لی۔ اتفاق سے اُسے ایک خالی میز بھی ایک گوشے میں مل گئی۔ یہ تفریح کرنے والوں کی واپسی کا وقت تھا۔ لہٰذا ریستوران خالی ہوتے جا رہے تھے۔ حمید نے کافی کا آرڈر دے کر جیب سے کاغذ نکالا جس پر تحریر تھا۔

''حمید...... بہت اچھے جا رہے ہو لیکن اب تم گھر واپس نہیں جاؤ گے۔ ارجن پورے کی داس بلڈنگ کے پندرھویں فلیٹ میں تمہارا قیام ہوگا۔ یہ دوسری منزل پر ہے۔ داس بلڈنگ پانچویں گلی میں ہے۔ اُسے تلاش کرنے میں تمہیں کوئی دشواری نہیں پیش آئے گی۔ جس فلیٹ میں تمہیں قیام کرنا ہے وہاں ایک آدمی ہوگا تم اُسے صرف میرے نام سے آگاہ کر دینا اور وہ تمہارے لئے ساری سہولتیں بہم پہنچا دے گا۔''

لکھنے والے نے اپنا نام نہیں لکھا لیکن یہ تحریر فریدی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔ حمید کاغذ کو جیب میں ٹھونس کر کافی پینے لگا۔

اجنبی لوگ

حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس ایک عورت کے لئے کیا کیا ہو رہا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ بھٹی بھی اُس کے عاشقوں میں سے ہو۔ کوئی ایسا عاشق ہو جو اغواء کنندگان کے لئے پریشانی کا باعث بن سکتا ہو۔

وہ ارجن پور کی پانچویں گلی میں داخل ہوا۔ داس بلڈنگ کا پتہ لگانے میں دیر نہیں لگی۔ حمید نے دستک دی۔ دروازہ فوراً ہی کھلا۔

''فریدی۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔ وہ آدمی احتراماً خفیف سا جھکا اور ایک طرف ہٹ گیا۔ حمید اندر آیا۔ وہ اس آدمی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اس کا لباس نچلے طبقے کے

آدمیوں کا سا تھا لیکن وہ خود نچلے طبقے کا آدمی ہرگز نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس کا رنگ بہت صاف تھا۔ آنکھیں ہلکے سبز رنگ کی تھیں۔ بال گھنگھریالے جن کی رنگت گہری کتھئی تھی اور پیشانی فراخ۔ اس کے ہاتھ بھی محنت کشوں کے سے سخت اور کھردرے نہیں تھے۔

''آپ آرام سے رہئے۔'' اس نے یہ جملہ اردو ہی میں کہا لیکن لہجے کی اجنبیت پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ وہ کوئی غیر ملکی ہے۔

''شکریہ۔'' حمید ایک خالی پلنگ پر دراز ہوتا ہوا بولا۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔

''کیا آپ کچھ کھائیں گے۔''

''نہیں شکریہ! حاجت نہیں ہے۔'' حمید نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر بولا۔ ''اردو بولنے میں آپ کو زحمت محسوس ہوتی ہے۔ آپ اپنی ہی زبان میں گفتگو کریں تو بہتر ہے۔''

حمید نے سوچا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ کوئی انگریزی، جرمن یا فرانسیسی ہوگا۔

اس کے جواب میں اس آدمی نے کچھ کہا لیکن حمید احمقوں کی طرح منہ پھاڑ کر رہ گیا کیونکہ اس نے جو زبان استعمال کی تھی وہ اس کے لئے بالکل نئی تھی۔

وہ آدمی مسکرایا۔ لیکن انداز مضحکہ اڑانے کا سا نہیں تھا۔

''آپ اردو ہی بولیں۔'' حمید نے سر کھجا کر کہا۔

''اگر آپ سونا چاہیں تو بستر......!''

''نہیں شکریہ۔'' حمید نے کہا۔ ''میں ابھی سونا نہیں چاہتا۔''

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس سے پوچھے کہ تمہارا فریدی سے کیا تعلق ہے۔ لیکن پھر کسی خیال کے تحت اس نے ایسا نہیں کیا۔

کچھ دیر بعد پھر دروازے پر کسی نے دستک دی۔ اس آدمی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ اندر آنے والے نے اپنی کلائی کھول کر اُسے کچھ دکھایا اور وہ آدمی اتنا جھکا کہ اس پر رکوع کا گمان ہونے لگا۔ پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر ایک طرف ہٹ گیا۔ نووارد ایک معمر آدمی تھا اور اس کا

لباس بھی نچلے ہی طبقے والوں کا سا تھا۔

حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔

آنے والے نے کہا۔ ''کیا بہت تھک گئے ہو۔''

اب حمید نے آواز سے اسے پہچانا۔ وہ فریدی تھا۔

''نہیں کچھ ایسی تھکن تو نہیں ہے۔'' حمید نے غصیلے لہجے میں کہا اور فریدی ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''اس عمارت میں جو کچھ بھی گفتگو ہوئی تھی اس سے میں واقف ہوں۔ لہٰذا اس سے پہلے کی باتیں بتاؤ۔''

''عمارت کی گفتگو کا علم آپ کو کیسے ہوا۔''

''وہاں کئی ڈکٹافون موجود ہیں۔ لہٰذا وہاں ہونے والی ہر گفتگو مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔''

حمید نے سونا گھاٹ سے فن آئی لینڈ تک کے واقعات دہرائے اور پھر بولا۔ ''اگر مجھ سے کوئی لغزش ہو جاتی تو...... آپ کو صورت حال سے پہلے ہی آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔''

''میں تم میں خود اعتمادی پیدا کرنا چاہتا ہوں اگر انگلی پکڑ کر چلاتا رہا تو تمہاری صلاحیتیں زنگ آلود ہو جائیں گی۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ اب تمہیں اسی طرح خطرات میں دھکیلتا رہوں گا۔''

''کیا اس میں بھی کوئی خطرہ تھا۔''

''کیوں نہیں! کیا تمہاری ذرا سی لغزش تمہیں موت کے منہ میں نہیں دھکیل سکتی تھی۔''

''مجھے لڑکیوں کے جھرمٹ میں دھکا دے دیجئے۔ تب البتہ پھر آپ کو وہاں سے میری لاش ہی اٹھانی پڑے گی۔ ویسے میں کافی سخت جان ہوں اور اسے لکھ لیجئے کہ میری موت میں کسی مرد کا ہاتھ ہرگز نہیں ہوگا۔''

''یہ بکواس کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھو۔ وہ لفافہ نکالو۔''

حمید نے لفافہ نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔

فریدی اسے دیکھتا رہا پھر حمید کو واپس کرتا ہوا بولا۔ ''کل رات تم اسے وہاں سے لے جاؤ

گے۔''

''کیا یہ حقیقت ہے کہ وہاں سادہ لباس والوں کا پہرہ ہے۔''

''ہاں...... یہ حقیقت ہے۔'' فریدی نے کہا۔ ''مگر تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ جائے۔''

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ ''وہ آدمی جسے سونا گھاٹ پہنچنا تھا اس کا کیا بنا۔''

''وہ حراست میں ہے۔''

''لیکن...... اگر...... شاید ڈاکٹر زیدی نے اُسے وہاں بھیجا تھا۔ اگر اُس کی وجہ سے بھانڈا پھوٹ گیا تو۔''

''وہ......!'' فریدی مسکرایا۔ ''وہ بیچارہ بھی میرے ڈر سے روپوش ہو گیا ہے۔ لیکن اکثر داؤد سے فون پر گفتگو کر لیتا ہے۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''وہ بھی میری قید میں ہے لیکن داؤد سے فون پر گفتگو کرتا رہتا ہے اور اس وقت اس کی کھوپڑی پر پستول کی نال ہوتی ہے، جو کچھ اس سے کہا جاتا ہے وہی اسے کہنا پڑتا ہے۔''

''اوہ......!'' حمید اپنا سر کھجاتا ہوا بولا۔ ''وہ سچ مچ شیطان ہی کی محبوبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ معاملہ شیطان کی آنت کی طرح لمبا اور ناقابل فہم ہوتا جا رہا ہے۔''

''شیطان کی محبوبہ۔'' فریدی حمید کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ ''کیا وہ تمہیں بہت پسند ہے۔''

''بے حد...... کیوں میں شیطان کا رقیب بننے میں کافی فخر محسوس کروں گا۔''

فریدی نے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ ویسے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

حمید نے صاحب خانہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اس گفتگو کے دوران وہیں موجود رہا تھا لیکن اُس کے چہرے سے بے تعلقی ظاہر ہو رہی تھی۔

حمید نے اشارے سے پوچھا کہ وہ کون ہے لیکن فریدی نے اپنی بائیں آنکھ دبا دی۔ حمید

سمجھ گیا کہ وہ اسکے سامنے اس کا تذکرہ نہیں چھیڑنا چاہتا مگر حمید کو اس پر حیرت ضرور ہوئی کہ وہ انکی گفتگو کے دوران وہیں موجود رہا تھا بہرحال اس نے اسکے معاملے میں خاموشی اختیار کر لی۔

''لیکن......!'' اس نے کچھ دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔ ''آپ کو اس کا علم کیسے ہوا تھا کہ زیدی نے ان کے لئے کوئی مددگار تیار کیا ہے۔''

''فن آئی لینڈ والا وہ مکان حقیقتاً اُن کی مشورہ گاہ ہے۔ وہ وہیں اکٹھے ہو کر اپنے مسائل پر غور کرتے ہیں۔''

''میرے خدا۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''وہ شیطان کی محبوبہ مسائل بھی رکھتی ہے۔''

''لاتعداد۔'' فریدی مسکرایا۔ پھر بولا۔ ''ڈاکٹر زیدی پر عرصہ سے میری نظر تھی۔ داؤد اور راجو تمہاری دریافت ہیں۔ اب دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ داؤد ہی اُن کا سرغنہ ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر زیدی کے علاوہ اور کوئی اس کی اصلیت سے واقف نہیں ہے کیونکہ وہ ان لوگوں کے سامنے میک اپ میں آتا ہے۔''

''ایک عورت کے لئے۔'' حمید پھر آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ''میرا سر چکرا رہا ہے۔''

فریدی نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہا۔ ''ان لوگوں نے اسی وقت سے تمہاری نگرانی شروع کر دی ہے۔''

''نہیں......!''

''ہاں......اور غالباً تمہاری لاف وگزاف نے انہیں اس بات پر مجبور کر دیا ہے۔''

''میں جس وقت یہاں پہنچا ہوں ایک آدمی عمارت کی نگرانی کر رہا تھا۔ وہ انہیں میں سے ایک ہے۔ میں اُسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اس کے جانے کے بعد ہی میں عمارت میں داخل ہوا تھا۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ یہ نگرانی مسٹر بھٹی کے اغواء کے بعد تک جاری رہے گی۔ اس لئے تمہیں بہت زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔''

''یہ بات آپ نے پہلے سے کیوں بتادی۔'' حمید نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

''کیونکہ اس اسٹیج پر بگڑا ہوا کام کسی طرح نہیں سنبھلے گا۔ اگر آج رات والا کھیل بگڑ بھی

جاتا تو اُسے سنبھالا جا سکتا تھا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اس شخص مسٹر بھٹی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

آخر وہ اس کے بارے میں فریدی سے پوچھ ہی بیٹھا۔ اس پر فریدی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر بولا۔ ”کیا تم اس پر یقین کرلو گے کہ اصلی مسز شوخ وہی ہے۔“

”ہائیں......!“ حمید منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

”ہاں اس ناول کا نام بہرام کی خالہ عرف اداس چبوترہ ہے۔“

”عرفیت تو بڑی ترقی پسند قسم کی ہے۔“

فریدی سگار سلگانے لگا۔

”آپ بتانا نہیں چاہتے۔“ حمید نے کہا۔

”بتا تو دیا۔“

حمید نے ہونٹ سکوڑ لئے۔ وہ بھی جیب میں تمباکو کا پاؤچ تلاش کر رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کیونکہ اندر سے ایک لڑکی ہاتھوں پر کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔ یہ بھی غیر ملکی ہی تھی اور بے حد قبول صورت۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اور فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”ارے اس کی ضرورت نہیں تھی بے بی۔“ فریدی نے انگریزی میں کہا۔

”آپ لوگ بہت تھک گئے ہوں گے جناب۔“ اس نے بڑے ادب سے جواب دیا اور ٹرے میز پر رکھ کر پیالیاں سیدھی کرنے لگی۔ اب وہ تیسرا آدمی بھی ان کے قریب آ گیا تھا۔

وہ کافی پینے لگے۔ لڑکی بھی اُنہیں شامل تھی۔ کسی خوبصورت لڑکی کی موجودگی میں حمید کو خاموشی کھلنے لگتی تھی اس نے لڑکی سے کہا۔ ”آپ لوگوں کو اس گندی بستی میں بڑی تکلیف ہوتی ہو گی۔“

”نہیں کیپٹن! ایسا تو نہیں ہے۔“ لڑکی مسکرائی اور حمید متحیر رہ گیا۔ تو وہ اسے جانتی تھی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ کافی کے دو تین گھونٹ لینے کے بعد کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے سگار کے کش لے رہا تھا اور اس کی آنکھیں چھت کی طرف تھیں۔

''کیا آپ لوگ ہمیشہ یہیں رہتے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''ایسا بھی نہیں ہے۔'' لڑکی پھر مسکرائی۔ ''کیا آپ ہم لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔''

فریدی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور لڑکی سے بولا۔ ''ضروری نہیں ہے کہ کیپٹن حمید میرے ہر راز میں شریک ہو۔ اس پر ہی کیا منحصر ہے۔ دنیا کا کوئی آدمی میرے متعلق سب کچھ نہیں جانتا۔''

لڑکی اور اس کے ساتھی کے چہروں پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے لیکن حمید کو فریدی کے اس جملے میں اپنی توہین نظر آئی۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اگر وہ دونوں وہاں موجود نہ ہوتے تو وہ بلاشبہ فریدی سے الجھ پڑا ہوتا۔

کچھ دیر بعد فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''اچھا تو اب میں جا رہا ہوں۔ کیپٹن حمید یہیں رہیں گے اور تم۔'' اُس نے مرد کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''میرے ساتھ آؤ۔''

وہ دونوں فلیٹ سے باہر نکل گئے۔

لڑکی برتن سمیٹنے لگی اور حمید اٹھ کر اس کی مدد کرنے لگا۔

''اوہ......آپ رہنے دیجئے کیپٹن۔'' اس نے کہا۔

''مجھے گھریلو کاموں سے بہت دلچسپی ہے۔ میں اکثر اپنی پڑوس کی عورتوں کے ہاتھ بٹایا کرتا ہوں۔''

''نہیں......!'' لڑکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں......اُن کے بچوں کیلئے کپڑے دھوتا ہوں۔ انہیں کھانا پکانے میں مدد دیتا ہوں۔ پڑوس کی جس عورت کا بچہ بیمار ہوتا ہے وہ مجھے فون کر دیتی ہے پھر اُسے کچھ نہیں کرنا پڑتا۔''

''آپ دونوں کے شوق عجیب ہیں۔ آخر آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔''

''دراصل مجھے خدمت خلق کا شوق ہے۔ لیکن اپنی بیوی کی خدمت......خدمت نہیں بلکہ زن مریدی کہلاتی ہے' یہاں میرے ملک میں......میں تمہارے ملک کے متعلق نہیں جانتا۔''

''بہر حال مجھے ماؤں کا ہاتھ بٹانے سے بڑا سکون ملتا ہے۔''

''لیکن میں ماں تو نہیں ہوں۔'' لڑکی ہنسنے لگی۔

''پھر آپ اُن صاحب کی کون ہیں، جو کچھ دیر پہلے یہاں تھے۔''

''ہشت......!''لڑکی شرمیلے انداز میں مسکرائی۔''وہ میرا ساتھی ہے۔''

''شوہر......!''

''نہیں ساتھی......آپ نے بے تکی باتیں کیوں شروع کر دیں۔''

''مجھے افسوس ہے اگر یہ باتیں آپ کو بے تکی معلوم ہوتی ہیں۔'' حمید نے کہا اور پھر وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کراہا۔

''کیوں؟ کیا بات ہے......کیا کوئی تکلیف ہے۔''

''ہاں سینے میں بہت درد ہے۔'' حمید کراہتا ہوا لیٹ گیا۔''ابھی ابھی اچانک اٹھا ہے۔کیا یہ کافی برازیل کی تھی۔''

''تھی تو برازیل ہی کی۔''

''اوہ......اسی لئے......میں جب بھی برازیل کی کافی پیتا ہوں یہی کیفیت ہوتی ہے۔''

''اچھا......دیکھئے میں ابھی آئی۔'' اُس نے کہا اور برتن سمیٹ کر اندر چلی گئی۔

حمید مسکراتا ہوا اپنے سینے پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔کچھ دیر بعد وہ واپس آئی۔اس کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی۔

''یہ دیکھئے......اسے آہستہ آہستہ سینے پر مل لیجئے۔'' اُس نے حمید کی طرف شیشی بڑھاتے ہوئے کہا۔

''مگر میں کیسے ملوں گا......مجھ سے نہیں بنے گا۔'' حمید نے مایوسی سے کہا۔

''بنے گا......آپ کوشش تو کیجئے۔''

''نہیں بنے گا......میں جانتا ہوں۔ایسے کام خود اپنے ہاتھوں سے نہیں ہو پاتے۔''

''کوشش ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتی ہے۔نپولین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کیجئے۔اچھا شب بخیر۔''لڑکی نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔حمید اُلو کا سا منہ لے کر رہ گیا۔

اپنا سا منہ رہ جانا محاورہ ہے لیکن محاورے حمید کو عموماً غلط معلوم ہوا کرتے تھے۔لہٰذا اس محاورے

میں اُلو والی تصحیح خود اسی نے کی تھی۔ اسے توقع تھی کہ وہ اس لڑکی سے اپنے سینے پر مالش کرانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن ع درد منتِ کش دوا نہ ہوا...... اور دوسرے مصرعے کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ وہ بیمار ہی کب تھا۔

دوسرا اغوا

بھٹی کے اغواء کا مسئلہ ابھی تک حمید کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن بہرحال اسے وہ کام انجام دینا تھا۔ فریدی نے دوسرے دن اُسے طریق کار سمجھا دیا۔

سات بجے شام تک حمید اور وہ غیر ملکی جس کے فلیٹ میں اس کا قیام تھا کنکس لین پہنچ گئے۔ وہ دونوں ایک بڑی شاندار کار میں آئے تھے۔ حمید پچھلے ہی دن کے میک اپ میں تھا۔ لیکن آج اس کے جسم پر میلے کچیلے لباس کی بجائے بہترین قسم کا سوٹ تھا اور اس کا سفید فام ساتھی کوئی ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا اُس کے ہاتھ میں ایک اسٹھیتو سکوپ تھا۔

کار پھاٹک کے اندر چلی گئی۔ حمید کو باہر کئی جانے پہچانے چہرے نظر آئے تھے۔ یہ اسی کے محکمے کے لوگ تھے۔ حمید نے اس کا اندازہ بھی کر لیا تھا کہ ان لوگوں نے انہیں شبہے کی نظر سے دیکھا تھا۔

کار سیدھی پورچ میں چلی گئی اور پھر حمید نے اُسے اس طرح موڑ کر اس کا پچھلا حصہ برآمدے کی سیڑھیوں سے لگا دیا جیسے ڈکے سے کچھ سامان نکال کر برآمدے میں رکھنا ہو۔

وہ دونوں اُتر گئے۔ حمید کے ہاتھوں میں دواؤں کا بیگ تھا۔

پھر وہ نہایت اطمینان سے اندر گھستے چلے گئے۔

چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ لیکن سارے کمرے روشن تھے۔ فریدی کے بتائے ہوئے نقشے کے مطابق حمید کو خواب گاہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی۔

لیکن اس کی توقعات کے خلاف وہاں بھی قبرستان کا سا ماحول نظر آیا۔ مسہری پر چپ چاپ پڑے ہوئے آدمی کو اس نے فوراً ہی پہچان لیا کیونکہ بھٹی کی تصویر اس وقت بھی اُس کی جیب میں پڑی ہوئی تھی اور اُس نے آج دن میں کئی بار اس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

مگر......! وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

''یہاں کوئی نوکر بھی نہیں نظر آتا۔'' حمید نے اپنے ساتھی سے کہا۔

''مجھے خود بھی حیرت ہے ویسے کرنل نے تو یہی کہا تھا کہ تم لوگ اُسے بہت آسانی سے نکال لے جاؤ گے۔ ہوسکتا ہے ان کا اشارہ انہیں آسانیوں کی طرف رہا ہو۔''

حمید نے آگے بڑھ کر بھٹی کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا لیکن نہ تو وہ چونکا اور نہ اُس کی آنکھیں ہی کھلیں۔

''یہ بیہوش ہے۔'' حمید نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے اس پر حیرت نہیں ہے۔'' سفید فام ساتھی بولا۔ ''کرنل کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

حمید نے دواؤں کا بکس کھول کر اُس میں سے ایک تھیلا نکالا۔

اور پھر پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر مسہری خالی ہوگئی۔

''راہداری اور برآمدے کی روشنیاں گل کر آؤ۔'' حمید نے سفید فام ساتھی سے کہا اور وہ چلا گیا......حمید کھڑا اس تھیلے کو دیکھتا رہا جو اب خالی نہیں تھا۔

سفید فام ساتھی کی واپسی پر تھیلا اٹھایا گیا اور پھر وہ اندھیرے ہی میں برآمدے تک آئے۔ سفید فام ساتھی نے ڈکے اٹھائی اور حمید نے تھیلا بڑی پھرتی سے اس میں ٹھونس دیا۔ پھر کار کو دھکیل کر اس کا رخ دوسری طرف کرتے ہوئے انہوں نے دروازے کھولے اور اندر بیٹھ گئے۔

ٹھیک اُسی وقت برآمدہ پھر روشن ہوگیا اور ان کی کار پھاٹک سے نکلی چلی گئی۔ سڑک پر پہنچ کر حمید نے اُسے بائیں جانب موڑ دیا۔

''تعاقب کا خیال رکھنا۔'' اس نے مڑ کر سفید فام ساتھی سے کہا جو پچھلی نشست پر نیم دراز تھا۔ لیکن حمید نے خود ہی سادہ لباس والوں کو حرکت میں آتے دیکھ لیا۔ تین آدمیوں نے

موٹر سائیکلیں سنبھال لی تھیں۔ حمید نے سوچا کافی منظم طور پر سارے کام ہو رہے ہیں۔

تین موٹر سائیکلیں کار کا تعاقب کرتی رہیں۔

''تعاقب شروع ہو گیا۔'' سفید فام ساتھی بڑبڑایا۔

''تین موٹر سائیکلیں۔ میں عقب نما آئینے میں دیکھ رہا ہوں۔'' حمید نے کہا۔ ''کیا ان کے پیچھے بھی کوئی ہے۔''

''ہاں......ایک چھوٹی سی کار۔'' ساتھی نے جواب دیا۔

''اچھا جیسے ہی ہم ویرانے میں داخل ہوں......تم......!''

''مجھے یاد ہے......تم مطمئن رہو۔'' ساتھی بولا۔

موٹر سائیکلیں کار کا تعاقب کرتی رہیں۔ انکے پیچھے وہ چھوٹی کار بھی برابر نظر آتی رہی۔

کچھ دیر بعد حمید کی کار شہری آبادی سے نکل کر ویرانے میں داخل ہوئی۔

دفعتاً سفید فام ساتھی نے باہر ہاتھ نکال کر کوئی چیز سڑک پر پھینکی اور ایک زوردار دھماکہ ہوا اور دھوئیں کے گہرے بادل چاروں طرف پھیل گئے۔ حمید نے رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز کردی۔ سفید فام ساتھی نے دھوئیں کا بم پھینکا تھا اور جس کا دھواں خواب آور تھا۔

موٹر سائیکلیں رک گئیں کیونکہ دھوئیں کی دوسری طرف کچھ بجھائی نہیں دے رہا تھا۔ انہوں نے موٹر سائیکلیں ضرور روک دی تھیں لیکن انجن نہیں بند کئے تھے۔ اُن کے پیچھے والی کار نے راستہ کاٹ دیا اب وہ کچی سڑک پر اتر گئی تھی، جو کھیتوں کے درمیان سے گذرتی تھی۔ موٹر سائیکلیں بھی مڑ کر مخالف سمت میں دوڑنے لگیں۔ حمید کی کار فراٹے بھرتی رہی۔ اب اس کے پیچھے میدان صاف تھا۔

سونا گھاٹ پہنچ کر وہ کار کو اسی طرف لیتے چلے گئے جہاں ان کے لئے ایک لانچ پہلے ہی سے موجود تھی۔

تھیلا ڈکے سے نکال کر لانچ میں رکھا گیا اور سفید فام ساتھی کار لے کر پھر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

دوسری طرف حمید خود ہی لانچ کو اسٹیئر کرتا ہوا فن آئی لینڈ کی جانب لے جا رہا تھا۔

رات تاریک تھی لیکن تاروں کے غبار نے رات کا سرمئی رنگ اکھاڑ دیا تھا۔

لانچ فن آئی لینڈ کی طرف بڑھتی رہی۔ اب حمید سوچ رہا تھا کہ وہاں پہنچ کر وہ اُس تھیلے کو عمارت تک کیسے لے جائے گا۔

ابھی اس نے آدھا راستہ بھی نہیں طے کیا تھا کہ پیچھے سے ایک لانچ آ کر اس کے برابر ہی چلنے لگی۔

''واہ دوست...... تم نے سچ مچ کمال ہی کر دیا۔'' اس پر سے آواز آئی۔

''مگر کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ یہ میں ہی جانتا ہوں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''محنت کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ تم خوش کر دیئے جاؤ گے۔ مگر کیا وہ بیہوش ہے۔''

''جس وقت میں نے اُس کار کے ڈکے میں ٹھونسا تھا اس وقت تو بیہوش ہی تھا۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔''

''ایسا نہ کہو پیارے...... اس کی موت سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔''

''لیکن اگر مر ہی گیا تو۔''

''تب پھر ہمیں گھنٹوں اس مسئلہ پر غور کرنا پڑے گا۔''

حمید خاموش ہو گیا۔ دونوں لانچیں جزیرے کی طرف بڑھتی رہیں۔

پھر جیسے ہی وہ ساحل سے لگیں دوسری لانچ سے تین آدمیوں نے اُتر کر حمید کو گھیر لیا۔

راجو نے کہا۔ ''تم لوگ تھیلے کو اٹھاؤ۔''

''ہرگز نہیں......!'' حمید غرایا۔ ''پہلے دس ہزار میرے ہاتھ پر رکھ دو۔''

''اُف فوہ! اتنی بے صبری۔'' راجو ہنسنے لگا۔

''اپنا وعدہ یاد کرو۔''

''میں نے یہ کب کہا تھا کہ ساحل ہی پر معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔ تم شاید بھول رہے ہو۔ میں نے کہا تھا کہ جس وقت تم اس عمارت میں اسے لاؤ گے دس ہزار ادا کر دیئے جائیں گے۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا تم خود ہی اسے عمارت تک نہیں لے جاسکتے؟''

''دیکھو دوست......!'' راجو اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''ہم اپنا اطمینان کئے بغیر اتنی بڑی رقم کیسے دے سکتے ہیں۔''

''کیا مطلب......؟''

''مطلب صاف ہے۔ تم سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہاں چل کر ہم دیکھیں گے کہ تم نے ہمیں دھوکہ تو نہیں دیا۔''

''اوہ......اچھا چلو۔ تم سمجھتے ہو شاید میں بھٹی کے علاوہ اور کسی کو اٹھا لایا ہوں۔''

''میری جگہ تم ہوتے تو کیا سوچتے۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ ''میں بھی اطمینان کئے بغیر اتنی بڑی رقم کبھی نہ دیتا۔''

''گڈ......اچھا تو اب چلو۔''

لانچوں کو وہیں چھوڑ کر وہ چاروں بستی کی طرف چل پڑے۔ تھیلے کو دو آدمیوں نے اٹھا رکھا تھا۔

عمارت میں داخل ہو کر راجو نے صدر دروازہ بند کر دیا اور پھر حمید سے بولا۔ ''یار تم بہت کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں مستقل طور پر تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔''

''اس سے کیا ہوگا۔'' حمید نے سوال کیا۔

''ہم دونوں ہی بہت زیادہ فائدے میں رہیں گے۔''

وہ ایک کمرے میں آئے اور راجو خاموش ہو گیا۔ یہاں پہلے ہی سے تین آدمی موجود تھے۔ ایک تو داؤد تھا اور اس وقت بھی وہ ڈاڑھی ہی والے میک اپ میں نظر آ رہا تھا۔ دو سفید فام غیر ملکی تھے۔ ان کے داخل ہوتے ہی تینوں کے چہرے چمک اٹھے۔

''کیا رہا۔'' داؤد نے بے صبری سے پوچھا۔

''فتح۔'' راجو نے فخریہ انداز میں کہا۔ تھیلا اتار کر میز پر رکھ دیا گیا اور حمید آگے بڑھ کر اُسے کھولنے لگا۔ تھیلے کا منہ کھلتے ہی راجو نے بیساختہ کہا۔ ''ٹھیک ہے۔''

تھوڑی ہی دیر بعد بھٹی میز پر چت پڑا ہوا تھا اور اس طرح گہرے گہرے سانس لے رہا تھا جیسے اُسے بہت بڑی گھٹن سے نجات ملی ہو لیکن اس کی آنکھیں بند تھیں۔

''یہ ہوش میں کیسے آئے گا۔'' راجو نے حمید سے پوچھا۔

''خود بخود۔'' حمید نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔''ایک گھنٹہ گذر چکا ہے۔ اب اسے ہوش میں آجانا چاہئے۔تم ذرا وہ کھڑکی کھول دو۔''

''کھڑکی نہیں کھولی جاسکے گی۔'' داؤد بولا۔

''ہوا کے بغیر اس کی بیہوشی طویل بھی ہوسکتی ہے۔'' حمید نے جواب دیا۔

''کس چیز سے بیہوش کیا تھا۔''

''اب کیا میں دس ہزار میں اپنے راز بھی بتادوں گا۔''

داؤد اُسے گھورتا ہوا خاموش ہوگیا۔ وہ اس وقت بھی اسے پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔

حمید جھک کر بھٹی کے چہرے پر رومال جھلنے لگا۔ شائد وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑائے بھی جارہا تھا۔

کچھ دیر بعد بھٹی کے پپوٹوں میں حرکت ہوئی اور وہ منہ چلانے لگا پھر کراہ کر کروٹ بدلی۔

وہ سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔

پانچ منٹ کے اندر ہی اندر بھٹی کو ہوش آ گیا۔ وہ اٹھ بیٹھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔''تم لوگ اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکو گے۔''

''ہم کامیاب ہوگئے۔'' داؤد نے قہقہہ لگایا اور بھٹی کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

''دیکھو......!'' داؤد نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔''تمہیں کتنی آسانی سے یہاں بلوالیا گیا حالانکہ تمہاری کوٹھی کے گرد سادہ لباس والوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اس طرح ہم جب چاہیں تمہیں قتل کرسکتے ہیں۔''

''نہیں......!'' بھٹی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''تم لوگ مجھ پر ظلم نہیں کر سکتے۔''

''تمہیں یہاں اس لئے نہیں لایا گیا ہے کہ تمہاری پوجا کی جائے گی۔'' داؤد ایک زہریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت جھانک رہی تھی۔

''اب میرا حساب صاف کر دو۔'' دفعتاً حمید نے کہا۔

''نہیں ابھی ٹھہرو۔'' داؤد نے کہا۔ ''ہو سکتا ہے اس آدمی کو قتل ہی کرا دینے کی نوبت آ جائے۔''

''نہیں نہیں......!'' بھٹی بے بسی سی کراہا۔

''قتل کے بیس ہزار۔'' حمید کے لہجے میں بڑی سفاکی تھی۔ ''قتل کے لئے ہمیشہ اغواء کی رقم کا دوگنا وصول کرتا ہوں۔''

''بیس کیا اس آدمی کے قتل کیلئے چالیس ہزار بھی صرف کئے جا سکتے ہیں۔'' داؤد بولا۔

''تب پھر میں ضرور رکوں گا۔'' حمید نے کہا اور کرسی کھینچ کر برابر ہی بیٹھ گیا۔

''میں......میں نہیں......یہ نہیں......تم لوگ کیا چاہتے ہو۔'' بھٹی کانپتا ہوا ہکلایا۔

''ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم سے جو کچھ کہا جائے کرو اور اس کے بعد اپنی زبان بند رکھو ورنہ اس کے خلاف کرنے کا انجام قتل ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا ہم اس پر بھی خاک ڈالنے کو تیار ہیں، جو تم ابھی تک کرتے رہے ہو۔''

''مم......میں......مجبور تھا......اس نے زبردستی کی تھی......مجھے بتانا پڑا۔''

''خیر تم اس کی فکر نہ کرو۔ ہم اس سے سمجھ لیں گے......مگر تم......'' داؤد جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ کاغذات نکالتا ہوا بولا۔ ''ان پر اپنے دستخط کر دو۔ تم خوب سمجھتے ہو کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ لہٰذا فضول قسم کی گفتگو کر کے وقت برباد نہ کرنا۔''

''مم......میں سمجھتا ہوں۔''

''پھر شاباش جلدی سے دستخط کر دو۔''

''لیکن اگر......اگر......اس کے بعد......تم نے مجھے قتل کر دیا۔''

''ہم اتنے احمق نہیں ہیں۔ تمہاری زندگی ہمارے لئے زیادہ مفید ہوگی مگر اُسی صورت

میں جب تم اپنی زبان بند رکھو۔"

"دستخط کر دینے کے بعد...... کیا میں اپنی زبان سے کچھ نکال سکوں گا۔"

"ٹھیک......تم بہت سمجھدار ہو۔" داؤد مسکرا کر بولا۔ "دستخط کر دو۔"

بھٹی نے کاغذات میز پر پھیلا دیئے۔ داؤد نے قلم اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ دستخط تمہارے لئے ایک شاندار مستقبل کا پیام لائیں گے۔"

بھٹی کاغذات پر دستخط کرنے لگا۔ حمید بُری طرح بیتاب تھا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ کاغذات کیسے ہیں۔

دو منٹ بعد بھٹی نے کاغذات اور قلم رکھ دیئے اور کرسی کی پشت سے ٹک کر ہانپنے لگا۔

داؤد نے کاغذات دونوں غیر ملکیوں کی طرف بڑھا دیئے۔ انہوں نے کاغذات کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر ان میں سے ایک دہاڑا۔ "یہ تمہارے دستخط ہیں۔"

"ہاں......!" بھٹی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ کھلی ہوئی بکواس ہے۔" غیر ملکی نے داؤد کی طرف دیکھ کر کہا۔ "یہ ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ اس کے کاروباری دستخط نہیں ہیں۔"

داؤد کی خونخوار آنکھیں بھٹی کیطرف اٹھیں، جو اب بھی کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا ہانپ رہا تھا۔

ہتھکڑیاں

بھٹی اسی طرح پڑا ہانپتا رہا۔

"کیا تم مرنا ہی چاہتے ہو۔" داؤد غرایا۔

بھٹی سیدھا ہو کر بولا۔ "میں کیا کروں۔"

"اتنا کچھ سمجھانے کے باوجود بھی تم ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہو۔"

''لاؤ......!'' وہ کاغذات کیلئے ہاتھ پھیلا کر کراہا۔ کاغذات اسے پھر واپس کر دیئے گئے،
لیکن خلاف توقع بھٹی نے انہیں تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔

''کیا مطلب......!'' داؤد دہاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''کچھ نہیں بیٹھ جاؤ۔ کھیل ختم ہو گیا۔'' بھٹی نے کہا اور اب اس کی آواز سن کر حمید بیساختہ اچھل پڑا کیونکہ یہ فریدی کی آواز تھی...... سرد اور سفاکی کی جھلکیاں رکھنے والی آواز۔

جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر حمید کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

وہ دونوں غیر ملکی بھی کھڑے ہو گئے اور راجو اپنے ساتھیوں سمیت فریدی کی طرف بڑھا۔

''ٹھہرو۔'' بھٹی کے روپ میں فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ راجو اور اس کے ساتھی رک گئے۔ دفعتاً حمید نے دیکھا کہ ایک غیر ملکی جیب سے ریوالور نکال رہا ہے۔

''خبردار۔'' حمید نے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ ''تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔''

''کیا......!'' راجو اس کی طرف پلٹ کر بولا۔

لیکن حمید کی نظر اس غیر ملکی ہی کی طرف تھی جس نے ریوالور نکالنے کی کوشش کی تھی۔
ویسے اب اس کے دونوں ہاتھ میز پر رکھے ہوئے تھے اور وہ حمید کو گھور رہا تھا۔

''میں نے کہا ہے کہ تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو...... یہ ریوالور بے آواز ہے۔''

''تم کیا چاہتے ہو۔'' راجو اپنے ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا۔

''میں وہی چاہتا ہوں جو مسٹر بھٹی چاہتے ہیں۔''

''اوہ......!'' داؤد پیر پٹخ کر دہاڑا۔ ''زیدی نے دھوکا دیا۔''

''نہیں ننھے بچے وہ خود دھوکا کھا گیا۔'' فریدی نے کہا۔

''تم خود کو محفوظ نہ سمجھو۔'' داؤد آنکھیں نکال کر بولا۔ ''ہم چھ ہیں اور تم صرف دو۔''

''اس کی فکر نہ کرو۔'' فریدی مسکرایا۔ ''شاید تم نے ابھی تک مجھے پہچانا نہیں کسی ایسے آدمی کا اغواء ناممکن ہے جو کرنل فریدی کی حفاظت میں ہو۔''

''تم......تم......!'' راجو ہکلایا۔

''تعجب ہے کہ تم مجھے نہیں پہچانتے حالانکہ عام حالات میں میرے سائے سے بھی بھاگنے کی کوشش کرتے ہو۔''

''کک......کرنل!'' راجو ہکلایا۔

''کیا......؟'' داؤد حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

پھر راجو حمید کی طرف مڑا اور حمید مسکرا کر بولا۔ ''اگر تم انہیں کرنل فریدی سمجھتے ہو تو لامحالہ مجھے کیپٹن حمید سمجھنا پڑے گا۔''

''مر گئے۔'' راجو کراہ کر دیوار سے جا لگا۔

''تم فریدی ہو۔'' داؤد نے کہا۔

''اس میں تمہیں شبہ نہ ہونا چاہئے۔'' فریدی مسکرایا۔

داؤد نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا۔

فریدی کا نام سنتے ہی دونوں غیر ملکیوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

''کیا تم یہاں سے زندہ نکل سکو گے۔'' داؤد نے فریدی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک بڑی بھیانک لگ رہی تھی۔

''ہاں! اے دودھ پیتے بچے۔ نہ صرف میں زندہ نکلوں گا بلکہ اپنے ساتھ تمہیں بھی لے جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ سامنے والے سوئچ بورڈ پر ڈائنامیٹ کا سوئچ بھی ہے۔ تمہاری انگلی کی ایک خفیف سی حرکت اس پوری عمارت کے چیتھڑے اڑا دے گی اور میں اس ڈائنامیٹ کے مقصد سے بھی واقف ہوں۔''

''کیا مقصد ہے۔'' داؤد نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یہی کہ ضرورت پڑنے پر ان ذرات کا ذخیرہ برباد کر دیا جائے۔''

''اوہ...... ہاہاہاہا۔'' داؤد نے پھر قہقہہ لگایا۔ ''تم......تم......بہت ذہین ہو۔ تم نے شاید لوہے کا برادہ دیکھ پایا ہے جسے ہم یہاں اسٹاک کر رہے ہیں۔''

''چلو...... وہ لوہے کا برادہ ہی سہی۔'' فریدی مسکرایا۔ ''لیکن لوہے کے وہ گارڈرز جو

ایکسپورٹ کرنے کے لئے گودی والے گودام میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا تم بتا سکو گے کہ ان کھوکھلے گارڈروں میں لوہے کا برادہ کیوں بھرا ہوا ہے۔"

قبل اس کے کہ فریدی کچھ کہتا داؤد اچھل کر سوئچ بورڈ کے قریب پہنچ گیا۔

"فائر مت کرنا۔" فریدی نے حمید سے کہا ورنہ اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے ہی والی تھی۔

داؤد نے سوئچ دبا دیا اور دونوں غیر ملکی حلق پھاڑ کر چیخے۔ "نہیں نہیں۔"

"ڈرو نہیں۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میرے علم میں آ جانے کے بعد وہ قابل استعمال نہیں رہ سکتا تھا۔ تم سب زندہ رہو گے اور ہتھکڑیاں پہنو گے۔"

دفعتاً داؤد نے غصہ سے پاگل ہو کر فریدی پر چھلانگ لگائی۔ حمید پھر ٹریگر دباتے دباتے رہ گیا۔ اُس نے سوچا کہیں ہاتھ بہک نہ جائے۔

فریدی کرسی سے نہیں اٹھا تھا اس نے بڑی پھرتی سے داؤد کو ہاتھوں پر روک کر دوسری طرف پھینک دیا۔ ایسا کرتے وقت بڑی میز الٹ گئی اور دونوں غیر ملکی بھی چیختے ہوئے دوسری طرف لڑھک گئے۔ میز ان پر ہی گری تھی۔ وہ اس کے نیچے دبے ہوئے چیختے رہے۔ داؤد پھر فریدی کی طرف جھپٹا لیکن راجو اور اس کے دونوں ساتھی دیوار سے لگے بے حس و حرکت کھڑے رہے۔

"تم بیکار اپنا اور میرا وقت برباد کر رہے ہو۔" فریدی نے داؤد کے جبڑے پر گھونسہ رسید کرتے ہوئے کہا۔ وہ پھر دوسری طرف کی دیوار سے جا لگا۔

"ہتھکڑیاں......!" دفعتاً فریدی نے بلند آواز میں کہا۔ بائیں جانب والا دروازہ کھلا اور آٹھ آدمی اندر گھس آئے۔ داؤد پر دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر فریدی پر حملہ کیا لیکن اب وہ کئی آدمیوں کی گرفت میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہاں چھ ایسے آدمی نظر آ رہے تھے جن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں...... حمید نے آگے بڑھ کر داؤد کے چہرے سے ڈاڑھی الگ کر دی اور بولا۔ "میں نے کل ہی وعدہ کیا تھا کہ تمہاری ڈاڑھی پر ہاتھ ضرور پھیروں گا۔ کاش اس وقت تمہاری چچی اماں

بھی موجود ہوتیں۔"

"شٹ اپ......!" داؤد حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ان کی چچی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "کیوں داؤد! کیا تم مجھے اتنا ہی احمق سمجھتے تھے کہ میں سلیمہ کے اغواء والے معاملے میں الجھ کر تم لوگوں کا پیچھا چھوڑ دوں گا۔"

"کیا مطلب......!" حمید فریدی کی طرف مڑا۔

"یہ ایک شاندار ڈھونگ تھا۔ جن دنوں میں اُن ذرات کے متعلق چھان بین کر رہا تھا ان لوگوں کو اس کا علم ہو گیا اور انہوں نے ہماری توجہ دوسری طرف ہٹا دینے کی کوشش کی۔ اس کے لئے شیطان کی محبوبہ تخلیق کی گئی اور سب سے پہلے تمہیں اس معاملے میں الجھایا گیا۔ تم...... خیر...... پھر اس کا اغواء اسی لئے عمل میں لایا گیا کہ پروفیسر شوخ تمہارے خلاف رپورٹ درج کرا دے...... اور میں تمہیں بچانے کے لئے اس کیس میں الجھ جاؤں۔ یہ صرف اتنا ہی موقع چاہتے تھے کہ ان ذرات کو باہر بھیجنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ پھر داؤد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "یہ کاغذ جو اس وقت میری جیب میں موجود ہیں انہیں اپنے تابوت میں آخری کیل سمجھو۔"

"تم ہمارے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں کر سکو گے۔" داؤد غرایا۔ "زیادہ سے زیادہ فرم پر فریب دہی کا کیس چل جائے گا کیونکہ ہم کھوکھلے گارڈروں میں لوہے کا برادہ بھر دیتے ہیں۔"

"تم احمق ہو۔ میں کئی دنوں سے تم لوگوں کے آپس کے مشورے ریکارڈ کرتا رہا ہوں۔ اس عمارت میں متعدد جگہوں پر ڈکٹا فون چھپا دیئے گئے تھے۔ ان کے ذریعہ تم لوگوں کا ایک ایک جملہ ریکارڈ کیا جاتا رہا ہے اور میرے ننھے بچے! اس قسم کے جرائم کے لئے بہت بڑے دماغ کی ضرورت ہوتی ہے اگر تم سے سلیمہ والے معاملے کی حماقت سرزد نہ ہوتی تو میں اتنی آسانی سے تمہارے ان ذخیروں تک نہ پہنچ سکتا۔"

"تم زندگی بھر اُن ذخیروں کی اہمیت نہیں ثابت کر سکتے۔" داؤد بولا۔

"آہا۔ اس بات پر دل چاہتا ہے کہ اس بھولے بچے کے مُنہ پر تھپڑ مار دوں۔ کیوں؟

کیا تم میرے ملک کی ایک بہت بڑی دولت غیر قانونی طور پر ایک دوسرے ملک کے حوالے نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیا وہ ذرات...... اگر انہیں لےسٹیک ایسڈ میں ڈال دیا جائے تو ''اِری ڈیم'' کے شفاف ذرے نکل آئیں گے یا نہیں؟''

''یہ...... یہ...... غغ...... غلط ہے۔'' ایک غیر ملکی ہکلایا لیکن فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتا رہا۔ ''تم ان ذرات کو باہر بھیجنا چاہتے تھے۔ ایک غیر ملکی فرم سے اس کے لئے معاہدہ بھی ہوگیا تھا مگر معاہدہ تھا لوہے کے گارڈرز کے ایکسپورٹ کا۔ البتہ معاہدہ اُس وقت تک نامکمل سمجھا جاتا جب تک کہ تمہاری فرم کے ایک ڈائریکٹر مسٹر بھٹی کے دستخط اس پر نہ ہوجاتے۔ بھٹی کو تمہاری اسکیموں کا علم ہوگیا تھا لیکن وہ بیچارہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اُن ذرات کی نوعیت کیا ہے۔ اور نہ اُسے یہی معلوم تھا کہ ذخیرے کہاں ہیں۔ اگر بھٹی سچ مچ اس وقت تمہارے ہاتھ پڑ گیا ہوتا تو تم اس وقت تک اسے اپنی حراست میں رکھتے جب تک کہ سارا مال یہاں سے نکل نہ جاتا۔ بھٹی کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ذرات یہاں سے بھیجے کس طرح جائیں گے لیکن اُس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ اب کسی نئے معاہدے پر دستخط نہیں کرے گا اور اسے یہ مشورہ میں نے ہی دیا تھا۔ اس لئے تمہیں اس کے اغواء کی بھی ضرورت پیش آئی...... اور تم داؤد...... تمہارے جرائم تو بہت ہی سنگین ہیں۔ اس دوران میں تمہاری اصلیت بھی ظاہر ہوگئی ہے۔ تم کافی عرصے سے ایک غیر ملک کے ایجنٹ کی حیثیت سے یہاں کام کرتے رہے ہو اور دوسرا جرم تو اتنا گھناؤنا ہے کہ تمہیں گولی ماردینے کو دل چاہتا ہے۔ تم اپنے چچا کی بیوی پر متصرف رہے ہو۔ وہ بوڑھا بھی اسے اچھی طرح سمجھتا تھا...... لیکن بدنامی کے ڈر سے اس کی زبان بند تھی۔''

داؤد نے ہنس کر جواب دیا۔ ''میں ایک بے حیا اور بے جگر آدمی ہوں۔ میری نظروں میں نہ تو رشتوں کا کوئی احترام ہے اور نہ پھانسی کے پھندے ہی سے ڈرتا ہوں۔ لہٰذا تم خواہ مخواہ اپنی زبان تھکا رہے ہو...... بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں ہار گیا۔''

''مگر وہ شیطان کی محبوبہ ہے کہاں۔'' حمید نے فریدی سے پوچھا۔

''باٹم روڈ کے ایک چھوٹے سے بنگلے میں...... بنگلہ نمبر تیرہ۔'' فریدی نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد قیدیوں کا جلوس اس عمارت سے نکلا۔ فریدی اور حمید پیچھے تھے۔

''خدارا اب ایک بات اور بتا دیجئے۔'' حمید نے کہا۔ ''وہ ارجن پور کے فلیٹ والی گلرخ کون تھی اور وہ آدمی کون تھا۔''

''بلیک فورس کے دو رکن۔''

''اوہ......تو کیا اُس بلیک فورس میں غیر ملکی بھی ہیں۔''

''یقیناً ہیں...... لیکن ان کا تعلق ان دوست ممالک سے ہے جس کے اور ہمارے مفادات مختلف نہیں ہیں۔''

''یہ اریڈیم اپنے یہاں کیسے آ ٹپکا۔''

''ہماری زمین کے سینے میں کیا نہیں ہے مگر ہم مفلس ہیں...... کاہل ہیں...... ہمیں باتیں بنانی آتی ہیں۔ ہم تقریریں کر سکتے ہیں ایک دوسرے پر اپنی ذہنی برتری کا رعب ڈال سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے کے لئے اپنی بہترین ذہنی صلاحتیں ضائع کر سکتے ہیں...... لیکن ہم سے تعمیری کام نہیں ہو سکتے۔''

شیطان اور محبوبہ

سلیمہ بے خبر سو رہی تھی۔ کمرے میں مدھم روشنی والا نیلا بلب روشن تھا۔ دفعتاً ایک کھڑکی کھلی اور اس میں کسی بہت بڑے بندر کا چہرہ دکھائی دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ چھ فٹ کا بندر کمرے میں تھا لیکن اس کے جسم پر ایک نہایت نفیس قسم کا سیاہ سوٹ تھا اور پیچھے لمبی سی دم لٹک رہی تھی جس کے سرے پر ایک ننھا سا بلب روشن تھا۔ اس کا چہرہ بندروں کا سا تھا۔ مگر جسم اور ہاتھ پیر آدمیوں کے سے تھے۔ اس نے ہولے ہولے سلیمہ کا گال تھپتھپایا۔ وہ جاگ پڑی لیکن

بندر نے اسے چیخنے نہیں دیا کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ہاتھ اس کے منہ پر تھا۔

''ہائیں۔'' اس نے کہا۔ ''تم شور مچانے جارہی ہو میری جان۔ اپنے شیطان کو نہیں پہچانتیں۔''

بندر کی آواز کچھ بھرائی ہوئی سی تھی۔

''ہٹو......!'' وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر اٹھلائی۔ ''تم نے مجھے ڈرادیا داؤد۔''

''کون داؤد! کیا بکتی ہے عورت تو عزرائیل کے سامنے کسی پیغمبر کا نام نہیں لے سکتی۔ میں تجھے کھاجاؤں گا۔ دیکھو میری دم پر ستارہ چمک رہا ہے۔''

شیطان نے اپنی دم اٹھا کر اُسے وہ بلب دکھایا جو اس کے سرے پر روشن تھا...... سلیمہ ہنستی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

''تم بہت شریر ہوگئے ہو۔'' وہ اس کی کمر پر دھپ رسید کرتی ہوئی بولی مگر پھر سنجیدگی سے کہا۔ ''کیا تم کچھ بیمار ہو۔ تمہاری آواز اتنی بھرائی ہوئی ہے کہ پہچاننا مشکل ہے۔''

''میں آج کل شوپنہار پر ریسرچ کررہا ہوں۔ اسی لئے روتے روتے گلا پڑ گیا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اس وقت اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں جہنم کی سیر کرادوں۔ کیا تم نے برنارڈ شا کا ڈرامہ مین اینڈ سپرمین پڑھا ہے۔''

''یہ آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کررہے ہو ڈیئر...... یہ نفرت انگیز خول اپنے چہرے سے اتاردو...... آدمی بنو۔''

''آدمی شیطان بن سکتا ہے لیکن شیطان کبھی آدمی نہیں بن سکتا۔''

''داؤد......!'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بچوں کی طرح ٹھنکی۔

''پھر وہی نام...... میں صرف شیطان ہوں...... جو اپنی چچی......!''

''شٹ اپ...... تم گدھے پن کی باتیں کیوں کررہے ہو۔'' وہ جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔

''گدھوں میں آدمیت نہیں ہوتی اسی لئے مجھے گدھے پسند ہیں۔''

''کیا تم نشے میں ہو داؤد۔''

''نہیں شائد تم نشے میں ہو۔'' شیطان نے اپنے چہرے سے بندر کا خول الگ کرتے ہوئے کہا۔

سلیمہ کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی اور وہ مسہری پر گر کر ہانپنے لگی۔ کیپٹن حمید اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا اس نے بیلٹ سے دم الگ کی اور اسے ایک طرف ڈالتا ہوا بولا۔ ''تم جیسی عورت آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔ مگر کھیل ختم ہو چکا ہے۔ داؤد وغیرہ اس وقت حوالات میں ہیں اور اِری ڈیم کا ذخیرہ ہمارے قبضے میں ہے۔''

وہ اپنی حالت پر قابو پا چکی تھی۔ مسہری پر لیٹے ہی لیٹے اس نے انگڑائی لی اور مسکرا کر بولی۔ ''کیپٹن! تم اتنے بدھو کیوں ہو۔ کیا تم اتنے ذہین نہیں ہو کہ موقع سے فائدہ اٹھا سکو۔''

''نہیں! میں بالکل بدھو نہیں ہوں۔'' حمید نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ ''میں موقع سے فائدہ ہی اٹھانے کے لئے آیا ہوں۔''

''پھر...... وہ الماری کھول کر اسکاچ کی بوتل نکالو'' اس نے پھر انگڑائی لی۔ ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔''

''پہلے میرا ایک حقیر تحفہ قبول کر لو ڈارلنگ۔'' حمید نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہارے لئے جڑاؤ کنگن لایا ہوں۔''

اور پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کی جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکل پڑا۔

''تم مذاق کر رہے ہو...... ڈیئر۔'' وہ اٹھلائی۔

''خاموشی سے اسے پہن لو۔'' حمید نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ''اپنے ہاتھ آگے بڑھاؤ۔''

''نہیں......!'' وہ پھر خوفزدہ نظر آنے لگی۔

''یقیناً میں تمہارے ہتھکڑیاں لگا کر یہاں سے پیدل کوتوالی تک لے جاؤں گا۔ ابھی صرف گیارہ بجے ہیں۔ سڑکیں جگمگا رہی ہیں اور......!''

''نہیں...... خدا کے لئے نہیں۔''

''شیطان کی محبوبہ کو خدا سے کیا سروکار۔ شاید تم نشے میں ہو۔''

''کیپٹن!'' وہ اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ ''اس طرح بے عزت نہ کرو۔''

''اوہ......تم تو ایک دلیر عورت ہو۔ تم جو اپنی پنڈلی میں اپنے ہی ہاتھوں سے پوری سوئی پیوست کر لیتی ہو۔ ہو سکتا ہے عدالت تمہیں بَری بھی کر دے مگر میں تو اس وقت تمہیں ایک آوارہ کتیا کی طرح کھینچتا ہوا لے جاؤں گا۔''

''کیپٹن......!'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے۔

''شریف عورتوں کے آنسوؤں پر میں اپنا گلا بھی گھونٹ سکتا ہوں۔ تم شاید مجھے کوئی عیاش آدمی سمجھتی تھیں اسی لئے مجھے متوجہ کرنے کے لئے وہ ڈرامہ اسٹیج کیا تھا......لیکن...... چلو......ہتھکڑیاں پہن لو...... مجھے تشدد پر آمادہ نہ کرو......میں صرف عورتوں سے دوستی کا شائق ہوں......عیاش نہیں۔''

حمید نے اُس کے ہتھکڑیاں لگا دیں......اور وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

ختم شد